إِنَّ فِى ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ (القرآن)

الأبوابُ والتراجِمُ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی

قدس اللہ سرہ
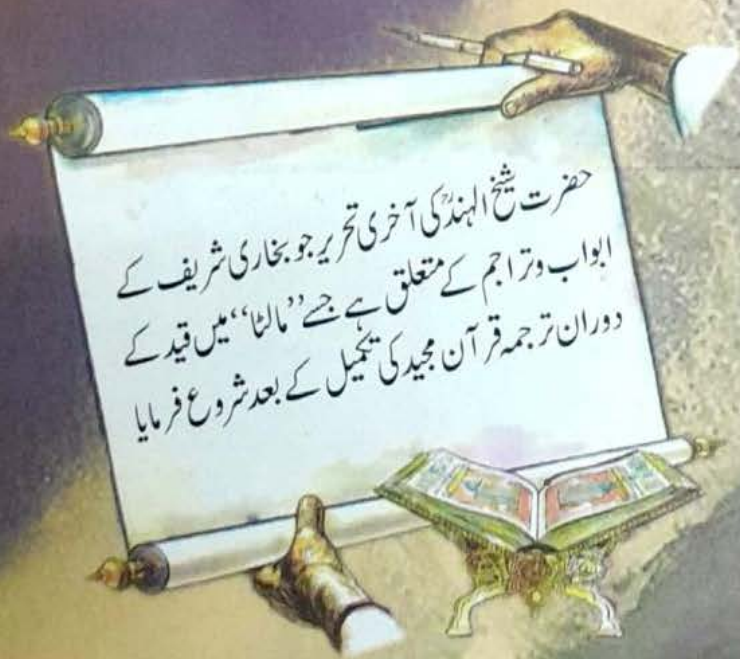
حضرت شیخ الہندؒ کی آخری تحریر جو بخاری شریف کے ابواب وتراجم کے متعلق ہے جسے ''مالٹا'' میں قید کے دوران ترجمہ قرآن مجید کی تکمیل کے بعد شروع فرمایا

دارُالثناء

لِلطباعة والنشر

0300-2824450

سلسلۂ اشاعت : ۲

نام کتاب : الأبواب والتراجم

مصنف : شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن محدث دیوبندیؒ

باہتمام : سلمان واحدی بن حافظ ثناء اللہ واحدی

کمپوزنگ : بنوریہ گرافکس 0321-2250577

مطبع : شفق پرنٹنگ پریس (اردو بازار) کراچی
0321-2037721

ناشر : ثناء پبلشنگ ہاؤس
0300-2824450

طبع اول : رمضان المبارک ۱۴۳۰ھ بمطابق ستمبر ۲۰۰۹ء

اسٹاکسٹ

مکتبۂ رشیدیہ

بالمقابل مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی فون: 021-32767232

ملنے کے پتے

ادارۃ الانور، علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ ٹاؤن، کراچی

مکتبہ عمر فاروقؓ، جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل کالونی، کراچی

حاجی امداد اللہؒ اکیڈمی، مارکیٹ ٹاور، حیدرآباد

مجیدیہ کتب خانہ، اردو بازار، ملتان

مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، راول پنڈی

مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ

فہرست مضامین

الحمد للہ! ''سلسلۂ نوادراتِ اکابر'' کی دوسری کڑی آپ کے ہاتھوں میں ہے، ''الأبــواب والتــراجــم'' قطب العالم حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس اللہ سرہ کی وہ آخری تحریر ہے جسے ''بالٹا'' میں قید کے دوران ترجمۂ قرآن مجید کی تکمیل کے بعد تحریر کرنا شروع فرمایا۔ چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ الأبواب والتراجم کے پیش لفظ (نبذۃ الاحوال) میں فرماتے ہیں:

> ''......مصائب وآلام کی اس بارش کے زمانہ میں کہ بڑے بڑے شجیع القلب گھبرا اٹھتے ہیں آپ نے احکم الحاکمین کی ترجمانی کا حق ادا کیا یعنی اس زمانۂ اسارت میں وحی الٰہی کا وہ ترجمہ مکمل کر دیا جس کو بزمانہ قیام ہندوستان شروع کر دیا تھا، اس اہم ذمہ داری سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے تراجم کے متعلق ایک یادداشت تحریر فرمائی، اس وقت کہ آپ اس یادداشت کو تحریر فرما رہے تھے آپ کے پاس بخاری شریف کا ایک نسخہ تھا اور وہ بھی مطبوعہ مصر، جس پر نہ حاشیہ نہ حل لغات، اسی طرح شاید ایک دو کتابیں ترمذی شریف وغیرہ اور تھیں۔......'' (ص ۱۷)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو حدیث میں حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہما سے تلمذ تھا، حضرت گنگوہیؒ اگر علوم قرآن وسنت اور تفقہ فی التفسیر کے امام

تھے تو دوسری طرف حضرت نانوتویؒ معارف وحقائق واسرارِ شریعت کے امام تھے، حضرت شیخ الہندؒ ان دونوں چشموں سے سیراب تھے پھر تعلق مع اللہ اورنورِ ایمان نے قلب ونظر کوروشن کردیا تھا، حضرت شیخ الہندؒ کی حدیث نبوی میں مہارت کی جھلک آپ ''الأبواب والتراجم'' میں دیکھ سکتے ہیں۔

مؤرخ ابن خلدون نے اپنے مقدمہ تاریخ میں لکھا ہے:

''ولقد سمعت كثيرا من شيوخنا رحمهم الله تعالى يقولون شرح كتاب البخاری دَين على الأمة، يعنون أن احدا من علماء الامة لم يوف مايجب له من الشرح بهذا الاعتبار''

''میں نے اپنے بہت سے شیوخ سے سنا کہ صحیح بخاری کی شرح امت پر قرض ہے یعنی کسی نے بھی اس کا وہ حق ادا نہیں کیا جس کی وہ مستحق تھی''۔

اس پر حافظ شمس الدین سخاویؒ جو حافظ ابن حجرؒ کے خاص شاگرد ہیں نے اپنی کتاب ''الضوء اللامع'' میں لکھا ہے کہ میرے شیخ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا حق ادا کردیا۔

حضرت شیخ الہندؒ فرماتے تھے:

''مگر حافظؒ سے الأبواب والتراجم کا حق ادا نہیں ہوا بہت سے ابواب وتراجم ابھی تک تشنہ تحقیق ہیں''۔

محدث العصر علامہ سید محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ نفحۃ العنبر میں رقمطراز ہیں:

''لو كمل ما حاوله مولانا شيخ الهند رحمه الله من شرح أبواب الصحيح وتراجمه لقضى دَين التراجم

ان شاء الله، والأسف انه لم يكمل ما حاوله، ومع هذا فالقطعة التي ألفها وطبعت اليوم صارت للمستفيدين نبراسًا ومقياسًا".

(نفحة العنبر في حياة امام العصر الشيخ انور: ص۱۰۴)

ترجمہ: اگر حضرت شیخ الہندؒ صحیح بخاریؒ کے ابواب وتراجم کی شرح مکمل فرمالیتے تو تراجم کا قرض ادا ہوجاتا لیکن افسوس کہ وہ پورا نہیں ہوا، تاہم وہ حصہ جو آپ نے تحریر کیا اور طبع ہو چکا ہے استفادہ کرنے والوں کے لیے معیار بن چکا ہے۔

حضرت محدث العصر رحمہ اللہ کے قول سے آپ "الأبواب والتراجم" کی اہمیت وافادیت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

اسی اہمیت کے پیش نظر اس رسالہ کی طباعت کی گئی ہے۔

اس سے پہلے "الأبواب والتراجم" کتنی بار طبع ہوئی ہے؟ ہمارے علم کے مطابق صرف دو بار طبع ہوئی ہے۔

اس رسالہ کو سب سے پہلے حضرت مولانا عزیز گل صاحب رحمۃ اللہ علیہ (خادم خاص حضرت شیخ الہندؒ) نے ہندوستان سے طبع کرایا، اس کا کچھ حصہ مطبع الامان اخبار نگینہ میں اور کچھ حصہ مطبع مدینہ اخبار بجنور یوپی میں طبع ہوا۔

دوسری مرتبہ جناب مفتی اکبر علی صاحب نے وحید آباد کراچی سے طبع کرایا۔

ان دونوں نسخوں پر سن طباعت درج نہیں، جس کی وجہ سے یہ اندازہ لگانا مشکل ہے کہ یہ طباعت کب ہوئیں؟ (ان دونوں نسخوں کے سرورق کا عکس چند صفحات بعد ملاحظہ فرمائیں۔)

اس رسالہ کی موجودہ طباعت میں تصحیح کے وقت مذکورہ بالا دونوں نسخوں کو سامنے

رکھا گیا ہے۔

البتہ رسالہ کے آخر میں تراجم کی جو فہرست ہے وہ مذکورہ بالا دونوں نسخوں میں صفحہ نمبر اور جلد نمبر مصری نسخے کے مطابق تھی جو حضرت شیخ الہندؒ کے پاس موجود تھا ہم نے موجودہ طباعت میں اہل علم کی آسانی کے لیے صفحہ نمبر اور جلد نمبر کا اندراج پاکستان میں سب سے زیادہ رائج نسخے سے کیا ہے، جو قدیمی کتب خانہ کراچی کا چھپا ہوا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے اس رسالہ کو میرے لیے ذریعۂ نجات بنائے اور خدمت دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سلمان واحدی بن حافظ ثناء اللہ واحدی

فاضل جامعہ امام ابوحنیفہؒ (مکہ مسجد) کراچی

متخصص فی الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوریؒ ٹاؤن کراچی

یوم الجمعۃ ۱۵/شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ

الموافق ۲۰۰۹/۸/۷م

إن في ذلك لآيات لقوم يفقهون

قال النبي صلى الله عليه وسلم من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

الأبواب والتراجم

قطب العالم

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ العزیز کی

آخری تحریر ہے جو بزمانہ اسارت مالٹہ آپ کے قلم سے نکلی تھی جس سے ذی علم

حضرات سمجھ سکینگے کہ آپ کی وفات سے خزانہ علم میں کیسی ناقابل تلافی

کمی آگئی ہے

مولانا مولوی عزیر گل صاحب پشاوری کی مساعی جمیلہ اور تصحیح و اہتمام سے

ہندوستانی نسخے کے سرورق کا عکس جسے حضرت مولانا عزیر گل صاحب رحمہ اللہ (اسیر مالٹا) نے طبع کرایا تھا۔

ہندوستانی نسخے کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَفْقَهُونَ

الأبواب والتراجم

مصنفہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ

ناشر

"مفتی" اکبر علی بی ۵۲ وحید آباد کراچی ۲۸

پاکستانی نسخے کے سرورق کا عکس جسے مفتی اکبر علی نے طبع کرایا

پاکستانی نسخے کے پہلے اور آخری صفحے کا عکس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبذۃ الاحوال

حامداً ومصلیاً ومسلما

قطب العالم حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز بجرم حق گوئی بیت الحرام سے سنگینوں کے سایہ میں لاکر مالٹہ کے قلعہ میں نظر بند کیے گئے اور منعم حقیقی نے آپ پر انعامات کی بارش کی اور ان آنکھوں پر جو لا یبصرون بھا کی مصداق نہیں اور ان قلوب پر جو لا یفقھون بھا سے موصوف نہیں روشن کر دیا کہ سجن مالٹہ سجن یوسف علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کا نمونہ ہے اس طویل زمانہ نظر بندی اقارب واحباب، اہل وعیال سے دور افتادگی میں جس ثبات واستقلال کا نمونہ آپ کی ذات نے نہ صرف اپنے خدام کے سامنے بلکہ ایک عالم کے سامنے پیش کر دیا اس کو دیکھ کر سلف صالحین رحمہم اللہ کے ثبات واستقلال پر تعجب نہ رہا۔

مصائب وآلام کی اس بارش کے زمانہ میں کہ بڑے بڑے شجیع القلب گھبرا اٹھتے ہیں آپ نے احکم الحاکمین کی ترجمانی کا حق ادا کیا یعنی اس زمانۂ اسارت میں وحی الٰہی کا وہ ترجمہ مکمل کر دیا جس کو بزمانہ قیام ہندوستان شروع کر دیا تھا، اس اہم ذمہ داری سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے اصح الکتب بعد کتاب اللہ کے تراجم کے متعلق ایک یادداشت تحریر فرمائی، اس وقت کہ آپ اس یادداشت کو تحریر فرما رہے تھے آپ کے پاس بخاری شریف کا ایک نسخہ تھا اور وہ بھی مطبوعہ مصر، جس پر نہ حاشیہ نہ حل لغات، اسی طرح شاید ایک دو کتابیں ترمذی شریف وغیرہ اور تھیں۔

ان سطور کو جن کو آج اہل علم ناظرین ملاحظہ فرمائیں گے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے متفرق اوقات میں تحریر فرمایا تھا آپ اس فرض اہم کے متعلق پوری سبکدوشی حاصل

نہ کرنے پائے تھے یعنی جس قدر آپ تحریر فرمانا چاہتے تھے وہ حد تکمیل کو نہ پہنچا تھا کہ آپ اس جرم بے گناہی سے آزاد کئے گئے اور ہندوستان تشریف لائے، ہندوستان میں آپ کا قیام ہی کیا ہوا صرف پانچ ماہ اور بائیس یوم، جن میں سے نصف سے زیادہ زمانہ اشتداد مرض کے حصہ میں آیا، نصف سے کم طویل طویل سفروں اور مشتاقان قدم بوسی کی تمناؤں کو پورا کرنے میں گذرا۔

سن تیرہ سوانتالیس ہجری کی اٹھارہویں ربیع الاول (۱۸/۳/۱۳۳۹ھ) کو غلبہ شوق دیدار خالق میں خدام سے مفارقت اختیار کی، اس مفارقت کا صدمہ مسلمانوں میں سے تو ہر چھوٹے بڑے کو پہنچنا ہی لازمی تھا، مردم شناس غیر مسلموں کو بھی اس وفات نے خون کے آنسو رلا دئے۔

باقی رہی یہ بات کہ میں کس حالت میں ہوں اس کے لیے فقط اس قدر کافی ہے کہ

حال من در ہجر حضرت کم تر از یعقوب نیست
او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی آخری تحریر تراجم بخاری کے متعلق تھی جس کو اس خیال سے کہ آپ کا فیض علمی تا قیام قیامت جاری رہے شائع کیا جاتا ہے، عدم مساعدت مشیت ایزدی کی وجہ سے اگر چہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ ان تمام علمی لآلی وجواہر کو کاغذ کی سطح پر نہ رکھ سکے ہوں جن کا آپ نے ارادہ کرلیا تھا لیکن بحالت موجودہ بھی یہ گنجینۂ گراں مایہ سر آنکھوں پر رکھنے کے قابل ہے، اربابِ نظر اور اصحابِ علم اس مختصر سی تحریر سے جو فوائد حاصل کریں گے ان سے خود ہی واقف ہو جائیں گے۔ دعا ہے کہ خداوند عالم اس تحریر کو مقبولیت عامہ عطا فرمائے۔

حسین احمد مہاجر مدنی
مقیم کلکتہ

اللّٰهم لا سهل الا ما جعلته سهلا وانت تجعل الحزن اذا شئت سهلا ولا حول ولاقوة الا باللّٰه العلي العظيم، وصلى اللّٰه على سيدنا ومولانا محمد وعلى اله وصحبه وسلم

وقت آن شیریں قلندر خوش کہ در اطوار سیر
ذکر تسبیح ملک در حلقۂ زنار داشت

اصول

امابعد بندہ ظلوم وجہول ارباب فہم وانصاب کی خدمت میں ملتمس ہے کچھ عرصہ سے رغبت قلبی اور بعض مکرمین مخلصین کا ارشاد متقاضی تھا کہ تراجم اصح الکتب بعد کتاب اللہ العظیم کے متعلق بنام خدا خامہ فرسائی اور تقدیر آزمائی کروں جو سلفاً اور خلفاً مطمح افکار اور محل انظار اکابر علماء رہے ہیں اور انہیں تراجم کو امیر المومنین فی الحدیث کی تمام عمر کی کمائی اور اصح الکتب کا ایک بڑا رکن بتلایا جاتا ہے، اس مبارک اور مقدس کتاب کی جو مبسوط اور مختصر اور متوسط شروح لکھی گئی ہیں، اس میں شک نہیں کہ ان کی نظیر نایاب ہے، اور اہل اسلام کے حق میں مایۂ افتخار جزاهم اللّٰه عنا واحسن الجزاء وافضل الجزاء، مگر ہجوم تحقیقات علمیہ تفسیر وحدیث وفقہ وکلام واسماء الرجال ولغت وغیرہ میں حضرات اکابر کو اتنی گنجائش نہیں ملی کہ تراجم کی تحقیق میں زیادہ توجہ اور غور فرمائیں اور بالاستقلال اس خدمت کو انجام دے سکیں، اس لیے حضرات اکابر نے قدر ضرورت پر اکتفا غالباً مناسب سمجھا اور اگر کسی نے ایسا کیا ہوتو ہم اس وقت تک اس سے محروم رہے، بالجملہ شروح موجودہ میں جو تراجم کے متعلق تحریر فرمایا ہے وہ ہم لوگوں کو کافی نہیں بے شک اس کی حاجت ہے کہ کوئی ایسا شخص جو اس

خدمت کو انجام دے سکے غور کامل اور جدو جہد تام سے اس کو بالا ستقلال انجام دینے میں کوشش کرے اور محققین اکابر کی شروح موجودہ میں غور کر کے جو بات اقرب اور احق بالقبول ہو اس کو اختیار کرے، لیکن اپنی حالت جو سب کو معلوم ہے وہ ہرگز اس قابل نہیں کہ اس مہتم بالشان خدمت کے کسی ادنیٰ درجہ میں بھی کامیاب ہو سکے محض شوق قلبی سے کیا کام چلتا ہے اس لیے اس وقت تک بجز تحیر و تردد کچھ نہ ہو سکا، حسن اتفاق سے حجۃ اللہ علی العٰلمین حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مستقل مختصر رسالہ اس کے متعلق حیدر آباد سے شائع ہوا اس کو دیکھ کر امید مردہ میں جان محسوس ہونے لگی اور سودائے خام پکنا شروع ہوا اس کے مطالعہ سے یہ بات تو خوب دل نشین ہوگئی کہ مؤلف رحمہ اللہ کے بہت سے خبایا اس وقت تک زوایا میں مخفی ہیں رسالہ نہایت عجیب ہے مگر بوجہ اجمال و اختصار اس سے پورا نفع اٹھانا دشوار ضرور ہے مگر شوق دیرینہ نے سب دشواریوں سے قطع نظر کر کے اس کام کا تہیہ کرادیا مگر اپنی درماندگی اور بے چارگی چونکہ ایسی نہیں کہ اس سے قطع نظر ہو سکے اس لیے مجبوراً یہ صورت نکالی کہ چند اہل علم فہیم و لائق کو منتخب کر کے ان کی شرکت سے یہ خدمت حتی الوسع پوری کی جائے، حسبنا اللہ ونعم الوکیل اب ہم جو کچھ کریں گے وہ حضرات اکابر ہی کی تحقیقات سے مستنبط ہوگا البتہ حسب الموقع جو امر جدید یا زائد سمجھ میں آئے گا وہ بھی ضرور عرض کیا جائے گا اگر اس میں خطا ہو تو اس کی وجہ بتلانے کی ہرگز ضرورت نہیں ہم خود اس کی وجہ موجود ہیں جس کا جی چاہے دیکھ لے اور اگر صواب ہو تو اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضرات اکابر رحمہم اللہ کی برکت ہے۔ وفي أمرٖ الهم حق للسائل والمحروم واللّٰه الموفق والمعين.

سب سے اول ہم ان اصول کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کی رعایت مؤلف رحمہ اللہ نے تراجم میں ملحوظ رکھی ہے، اور جزئیات کتاب میں وہی کارآمد ہیں۔

چونکہ یہ امر معلوم ہے کہ حضرت مؤلف نے ان اصول کو بالاستقلال ضبط فرما کر کسی کو نہیں دیا بلکہ محققین علماء نے خود تراجم سے علی الفور یا بعد الغور استنباط فرمایا ہے اور اسی لیے وہ اصول ہمیشہ لیکن ہر آنکہ یافت مزیدی بر آن نمود کا مصداق رہے ہیں تو اب یہ امر ظاہر ہو گیا کہ اب بھی اگر کوئی شخص کوئی بات معقول بعد غور اصول میں ایسی بڑھائے جو تطبیق وغیرہ اغراض مؤلف میں مفید اور کار آمد ہو تو وہ بات مسلم اور لائق قدر ہوگی، قابل انکار ہرگز نہ ہوگی۔ ولا تنظرو الی من قال، فنقول وبه نستعين.

اصول

(ا) مؤلف رحمہ اللہ بسا اوقات جملۂ مذکورۂ فی الحدیث کو یا کسی قول اور عبارت کو ترجمہ بناتے ہیں مگر اس کا مدلول صریحی مطابقی مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کا مدلول التزامی اور ثابت بالاشارہ مؤلف کو مقصود ہوتا ہے اس لیے جو دلیل بیان کریں گے اس غرض مخفی کے مطابق ہوگی ظاہر ترجمہ کے مطابق ہونا کچھ ضروری نہیں، جو ظاہر ترجمہ کو مقصود سمجھے گا اس کو بہت دقت اور تکلف کے بعد بھی قابل قبول تطبیق دینا میسر نہ ہوگا، دیکھ لیجیے مؤلف نے شروع کتاب ہی میں باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ فرمایا اور اس کے بعد چھ حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائیں بعض میں تو وحی کا بھی ذکر نہیں اور بدء وحی سے تو اکثر خالی ہیں صرف ایک حدیث حراء میں ابتداء وحی کا ذکر ہے اس لیے بعض حضرات نے تو صاف فرمادیا ان كثيرا من أحاديث الباب لايتعلق الا بالوحي لابيدء الوحي فكيف جعل الترجمة باب بدء الوحي.

اور اکثر حضرات نے تاویلات مختلفہ فرما کر مطابقۃ میں عرق ریزی کی جو شروح میں بالتفصیل موجود ہیں مگر انصاف یہ ہے کہ کوئی محقق امر قابل تسکین مؤلف رحمہ اللہ کی شان کے موافق نظر نہیں آتا جس کی وجہ سے تمام احادیث کا بے تردد ترجمہ کے

مطابق ہونا دل نشین ہو جائے جب شروع ہی ایسا ہے تو آئندہ کیا ہوگا۔

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

مگر احادیث مذکورہ فی الباب میں غور کرنے سے اور حضرت شاہ صاحب وغیرہ کے بعض ارشادات سے یہ معلوم ہوا کہ مؤلف کی غرض اصلی بدء وحی کا بیان کرنا نہیں بلکہ وحی کی عظمت اور اس کا خطا و غلط وسہو سے منزہ ہونا اور واجب الاتباع اور ضروری التسلیم ہونا بتلانا منظور ہے جو ابتداء کتاب میں مفید اور مناسب ہے اور وحی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے اور مبدأ بھی عام ہے زمانہ ہو یا مکان، اخلاق ہوں یا حالات غرض وحی کی جملہ مبادی مراد ہیں، اب اس کے بعد جملہ احادیث اور ترجمہ میں مطابقت بلا تکلف نظر آتی ہے، جب اس کا موقع آئے گا ان شاء اللہ بالتفصیل بھی عرض کردیں گے، بالجملہ غرضِ مؤلف کا سمجھنا اہم اور ضروری ہے بہت مواقع میں مفید وکار آمد ہے۔

(۲) یہ امر مسلم ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ تمام اپنی کتاب میں نہ حدیث مکرر لائیں گے نہ ترجمہ، اور اگر ایسا ہوگا تو وہ سہو سمجھا جائے گا، مگر ترجمہ کی تکرار کے یہ معنی ہیں کہ مطلوب اور غرض دونوں جگہ ایک ہو یہ مطلب نہیں کہ الفاظ ایک ہوں، دیکھئے کتاب العلم میں باب فضل العلم دو جگہ موجود ہے اس کے متعلق جملہ حضرات اکابر یہی فرماتے ہیں کہ فضل سے ایک جگہ جو مراد ہے دوسری جگہ وہ مراد نہیں، اس لیے تکرار نہیں ہوا، لیکن یہ ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ جہاں غرض ایک ہوگی وہاں ایک دو لفظ کے بدل جانے سے تکرار زائل نہ ہوگا تاوقتیکہ مطلوب دوسرا نہ ہوگا اعتراض تکرار باقی رہے گا صرف لفظوں کا تغیر مفید نہ ہوگا، مثلاً شروع کتاب میں باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ﷺ فرمایا اور کتاب فضائل القرآن میں جا کر باب کیف نزول الوحی وأول ما نزل فرمایا تو صرف بعض الفاظ کے تغیر سے کچھ نہ ہوگا بلکہ ضروری ہے کہ ہر ایک ترجمہ کی غرض اور مقصود کو جدا جدا کر کے بتلایا جائے۔

(۳) یہ ظاہر ہے کہ ترجمۃ الباب مُدّعا اور حدیث اس کے لیے دلیل ہوتی ہے مگر مؤلف رحمہ اللہ نے متعدد باب میں ایسا کیا ہے کہ ترجمہ میں کوئی قید یا کسی امر کی تفصیل ایسی بڑھادی ہے جس کا حدیث باب میں پتہ نہیں تو وہاں عدم تطبیق کا خلجان ضرور دقت میں ڈالتا ہے کہ اس دلیل مطلق یا مجمل سے یہ مقید یا مفصل مدعا کیسے ثابت ہوگیا بجز اس کے کہ مؤلف پر عدم تطبیق کا اعتراض کیا جائے یا تکلف کر کے لاچار کوئی تاویل تلاش کی جائے اور کیا ہوسکتا ہے، چنانچہ شروح میں اس کی نظائر موجود ہیں، مگر حقیقت الامر جیسا کہ محقق علامہ سندھیؒ نے بھی بیان فرمایا ہے یہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کے جملہ تراجم اس میں منحصر نہیں کہ حدیث باب ان کے لیے دلیل ہو بلکہ بعض تراجم ایسے بھی ہیں کہ ان کو حدیث باب کے لیے شرح اور بیان کہنا چاہئے، چونکہ حدیث مذکور میں کوئی اجمال یا اطلاق ایسا تھا کہ جس سے مغالطہ کا احتمال تھا تو مؤلف نے اور احادیث اور دلائل سے اس اطلاق کو ترجمہ میں زائل فرما کر حدیث کا مطلب تحقیقی ظاہر فرمادیا۔

یا یوں کہو کہ ادلہ چونکہ متعارض نظر آئیں تو مؤلف نے اس کی تطبیق کی ضرورت سے ترجمہ میں قید زائد فرمائی، مثلاً ابواب الحیض میں باب الصفرة والكدرة فی غیر ایام الحیض منعقد فرما کر حدیث ام عطیہ لانعد الکدرة والصفرة شیئا ذکر فرمائی جس میں مؤلف نے جو ترجمہ میں في غير أيام الحيض کی قید بڑھائی تھی اس کا پتہ بھی نہیں مگر مؤلف نے اور احادیث اور دلائل کی وجہ سے یہ قید بڑھا کر مطلب صحیح اور واقعی بتلادیا۔

یا یوں کہو کہ ام عطیہؓ کے اس ارشاد اور حضرت صدیقہؓ کے ارشاد لاتعجلن حتی ترین القصة البيضاء میں صریح تخالف تھا مؤلف کی قید سے دونوں میں موافقت ہوگئی۔ فللّٰہ درّہ ثم للّٰہ درہ۔

(۴) بسا اوقات ترجمہ کے لیے ایک معنی ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرے معنی

غیر ظاہر، ایسے مواقع میں اکثر حضرات ناظرین بمجرد نظر معنی ظاہری متعین فرما لیتے ہیں اور مؤلف رحمہ اللہ کی مراد دوسرے معنی ہیں اس لیے احادیث باب کا انطباق دشوار ہوجاتا ہے جس کا نتیجہ وہی ہوتا ہے جو اوپر مذکور ہوا۔ اکثر تو مؤلف پر عدم انطباق کا شبہ کرتے ہیں اور بعض تاویلات بعیدہ سے تطابق میں جدوجہد فرماتے ہیں مثلاً باب **مایقول بعد التکبیر** منعقد فرما کر تین حدیثیں بیان فرمائیں جن میں ایک روایت صلوٰۃ کسوف کی بھی ہے اور ترجمہ سے اس کو تعلق نہیں معلوم ہوتا اس لیے بعض شارحین نے تو تاویلات سے مطابقت میں سعی فرمائی اور بعض محققین نے ان تاویلات کو رد کردیا اور قابل قبول نہیں سمجھا، لیکن اس دشواری کا منشا صرف یہ امر ہے کہ ترجمہ کے معنی حسب الظاہر یہ لئے گئے کہ تعیین دعا مؤلف کی مراد ہے، حالانکہ احادیث باب میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کی مراد توسع فی الدعاء ہے یعنی دعا میں توسع ہے پڑھو یا مت پڑھو، متصلاً پڑھو یا منفصلاً اور جو دعا چاہو پڑھو اب تینوں حدیثیں ترجمہ کے موافق ہیں۔

علی ہذا القیاس دفعہ دو میں یہ گذر چکا کہ باب **فضل العلم** دو جگہ مذکور ہے مگر چونکہ فضل العلم کے دو معنی ہیں ایک ظاہر دوسرے غیر ظاہر، مؤلف رحمہ اللہ نے اول باعتبار اول اور ثانی باعتبار ثانی فضل العلم کو ترجمہ بنایا مگر جو کوئی دونوں جگہ معنی ظاہری ہی مراد لے گا تو وہ ضرور تکرار ترجمہ کا اعتراض مؤلف پر کرے گا جو حقیقت میں اس پر اعتراض ہے مؤلف پر نہیں۔

(۵) کبھی یہ ہوتا ہے کہ ترجمہ کے معنی مؤلف کے نزدیک بھی وہی مراد ہوتے ہیں جو بحسب الظاہر ہم نے سمجھے لیکن تطبیق حدیث میں کوئی دشواری اور دقت ہوتی ہے جس سے ہم غافل ہیں اور اس غفلت کے باعث مؤلف پر اعتراض کیا جاتا ہے یا تکلفات غیر مقبولہ کی نوبت آتی ہے مثلاً باب **مایذکر فی الفخذ** منعقد فرما کر فخذ کے عورۃ ہونے کے اور عورۃ نہ ہونے کے دلائل ذکر فرمائیں اور عورۃ نہ ہونے کے دلائل میں

زید بن ثابتؓ کا ارشاد و **فخذہ علی فخذی** بھی ذکر کیا مگر اس سے ثبوت مدعا بالکل غیر ظاہر ہے جو حضرات اصل بات سمجھ گئے انہوں نے بے تکلف تطبیق کی وجہ ظاہر کر دی بعضوں نے محض تکلف سے کام لیا اپنے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ ظاہر ہو جائے گا۔

(۶) بعض مواقع میں مؤلف رحمہ اللہ حدیث ذکر کرتے ہیں جس میں ترجمہ کی نسبت کچھ مذکور نہیں ہوتا مگر کسی دوسرے باب میں جا کر اسی حدیث کو (دوبارہ) لاتے ہیں اس میں صریح ایسا لفظ موجود ہوتا ہے جو سابق الذکر ترجمہ کے مطابق ہوتا ہے جو اس سے بے خبر ہوتا ہے اس کو بہ مجبوری تکلفات باردہ کی نوبت آتی ہے اوائل کتاب میں مؤلف نے **باب السمر فی العلم** کی ذیل میں حضرت ابن عباس کی روایت **بت فی بیت خالتی میمونۃ ... الخ** نقل فرمائی اس میں سمر کا ذکر نہیں، شراح رحمہم اللہ نے مجبور ہو کر تاویلات نکالیں مگر سب بعید۔ محقق ابن حجر رحمہ اللہ نے غور وتلاش کے بعد دور جا کر کتاب التفسیر میں ایک روایت ایسی نکالی جس میں **فتحدث رسول اللہ ﷺ مع اھلہ ساعۃ ثم رقد** صاف موجود ہے **والحمد للہ وجزاہ خیرا۔**

اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ جس حدیث میں لفظ مطابق ترجمہ مذکور ہے وہ مؤلف رحمہ اللہ کی شرائط کے مطابق نہیں، گو صحیح اور معتبر ہے اس لیے مؤلف تمام کتاب میں اس کا ذکر نہیں کرتے اس کا پتہ وہی چلا سکتا ہے جو کتب حدیث کا تتبع کرے اور طریقۂ تاویل سے جو بظاہر سہل اور مختصر نظر آتا ہے اس سے بچنے میں کوشش کرے، ہماری تمام معروضات سے جو ہم نے یہاں تک عرض کیے اور ان کے علاوہ امور کثیرہ سے جگہ جگہ بالبداہۃ معلوم ہوتا ہے کہ امیر المؤمنین فی الحدیث رضی اللہ عنہ کا مطمح نظر یہ ہے کہ جیسے میں نے اس کی تالیف اور تنقیح میں سالہا سال جد وجہد کی ہے اور علماء بھی اپنی اپنی وسعت کے موافق اس کے سمجھنے اور حل کرنے میں پوری توجہ مبذول کریں انہی وجوہ سے علماء نے فرمایا کہ خواص کے لیے صحیح بخاری سب سے انفع ہے اور باوجود طوالت

ومشکلات اکابر علماء نے جس قدر توجہ اس مبارک کتاب کی خدمت کی طرف مصروف فرمائی وہ بے نظیر ہے، **فجزاه الله و اياهم عنا احسن الجزاء.**

(۷) مؤلف رحمہ اللہ اکثر مواقع میں ترجمۃ الباب کے ساتھ آثار صحابہ اور اقوال تابعین بھی قبل ذکر الحدیث نقل کر دیتے ہیں سو اس کی دو صورتیں ہیں:

ایک تو یہ کہ وہ آثار ترجمہ کے لیے دلیل ہوں اور یہ ظاہر ہے۔

دوسرے یہ کہ آثار دلیل تو نہیں ہیں مگر صرف ادنٰی مناسبت سے بغرض تکثیر فائدہ ذکر کر دیئے جاتے ہیں الشیء بالشیء یذکر اکثر علماء ان کو دلائل میں منحصر سمجھ کر تکلفات باردہ جگہ جگہ کرتے ہیں یا مؤلف پر بحالت مجبوری اعتراضات کی نوبت آتی ہے صرح بہ العلامۃ السندھیؒ وغیرہ.

(۸) بعض اوقات مؤلف رحمہ اللہ صرف لفظ باب ذکر فرما کر اس کے بعد حدیث مسند بیان کر دیتے ہیں ترجمہ کچھ ذکر نہیں کرتے شراح رحمہم اللہ اس کے متعلق چند احتمالات ذکر فرماتے ہیں جو ناظرین کو معلوم ہیں مگر غور اور تفتیش کے بعد راجح یہ ہے کہ ترجمہ نہ خطاءً چھوڑا ہے اور نہ سہواً اور نہ اس ارادہ سے کہ دوسرے وقت کوئی ترجمہ مناسب مقام استنباط کر کے قائم کروں گا بلکہ بالقصد ترجمہ ترک کیا ہے اور یہی مقصود ہے اور اس ترک کی دو وجہ ہیں:

اوّل یہ کہ باب اپنے سے سابق باب کے ساتھ مربوط ہو اور اس سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہو جس کو حضرات علماء **کالفصل من الباب السابق** سے تعبیر فرماتے ہیں اور حضرات محدثین اپنی تالیفات میں **باب منه** فرما جاتے ہیں مگر یہ ملحوظ رہے کہ مؤلف وسیع الخیال کے نزدیک تعلق کا احاطہ بھی وسیع ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض مقامات میں مؤلف بغرض تشحیذ اذہان اور ایقاظ طبائع ایسا کرتے ہیں اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اس حدیث سے ناظرین اہل فہم بھی کوئی حکم استنباط کریں، باقی یہ امر بدیہی ہے کہ **کیف ما اتفق** کسی حکم کا اخراج کافی نہ ہوگا، بلکہ

دو باتوں کا لحاظ ضروری ہے:

اوّل یہ کہ مؤلف نے اس حدیث سے جو حکم یا احکام نکالے ہوں ان کے ماسوا ہونا چاہئے۔

دوسرے جن ابواب کے ذیل میں یہ باب بلاترجمہ مذکور ہے اُنھی کے مناسب کوئی ترجمہ استخراج کیا جائے، چونکہ یہ امر مؤلف کی شان اور طرز دونوں کے مناسب ہے اس لیے ہم کو بھی چاہئے کہ جب کوئی باب بلاترجمہ دیکھیں تو اول دیکھ لیں کہ باب سابق کے ساتھ اس کو کسی قسم کا تعلق ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو فبہا ترجمہ سابق اس کے لیے کافی ہے اور اگر مربوط نہیں تو ہر دو قید مذکورۂ بالا کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ جدید کی فکر ضروری ہے۔ احتمالاتِ محضہ بعیدہ سے یہ امر بہمہ وجوہ مناسب اور مفید ہے، جس قدر ابواب بلاترجمہ مؤلف نے ذکر فرمائے ہیں باوجود کثرت سب اِنہی دو صورتوں معروضہ میں منحصر معلوم ہوتے ہیں لیکن بعض مواقع میں تامل صادق کی حاجت ضروری ہے، تقدیر سے اگر ایک دو باب تمام کتاب میں ایسے نظر آئے کہ کسی صورت میں داخل نہ ہو سکے تو مقتضائے فہم وانصاف یہ ہے کہ ہم اس کو اپنے قصور فہم پر حمل کریں اور جس کو اس سے استنکاف ہو غایۃ مافی الباب وہ کسی کی سہو وخطا پر محمول فرما کر تمام کتاب میں دو یا چار جگہ اپنا دل خوش کر لیں جو دفعیۂ چشم بد کے لیے بھی مناسب ہے۔ بالجملہ حالت مجبوری کو مستثنیٰ کر کے ایسے ابواب کو اِنہی دو صورتوں میں داخل رکھا جائے گو کسی قدر تکلف بھی کہیں کرنا پڑے کیونکہ یہ امر معلوم اور مسلم ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ متعدد مواقع میں دور کی مشابہت اور مناسبت سے بھی اپنا مدعا ثابت کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔

بعض ابواب ایسے بھی ہیں کہ وہاں دونوں احتمال مجتمع معلوم ہوتے ہیں یعنی باب سابق سے بھی ربط ہے اور جدید ترجمہ بھی بے تکلف مناسب ہے یا تراجم جدیدہ

متعدد وہاں چسپاں معلوم ہوتے ہیں، سو ایسے مواقع کے دیکھنے سے یہی امر راجح معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف علام کو تکثیر فوائد بھی ترک ترجمہ پر باعث ہوتی ہے اور تحدید فائدہ کے اندیشہ سے کوئی ترجمہ متعین نہیں فرماتے۔

کبھی باب سابق یا ابواب سابقہ میں کوئی خلجان یا اشکال ہوتا ہے اس کے ازالہ کے لیے باب بلا ترجمہ ذکر کر کے ایسی حدیث بیان کرتا ہے جس سے خلجان مذکور دفع ہو جاتا ہے، بعض جگہ کسی احتیاط یا کسی اندیشہ کی وجہ سے ترجمہ کی تصریح مناسب نہیں سمجھتا۔

(۹) مواقع کثیرہ میں باب کے ساتھ صرف ترجمہ مذکور ہے مگر حدیث مسند کا ذکر نہیں ہم ان کو ''تراجم مجردہ'' سے تعبیر کریں گے، ان کے متعلق بھی شراح محققین نے چند احتمال ذکر فرمائے ہیں اور جہاں ترجمہ مجرد آتا ہے وہاں اُنہیں احتمالات سے کام لیتے ہیں مگر ہمارے نزدیک بعد غور ان میں تفصیل احق بالقبول نظر آتی ہے اس لیے عرض ہے کہ تراجم مجردہ دو طرح کے ہیں:

ایک تو وہ جن کے ماتحت گو حدیث مسند مذکور نہیں مگر ترجمہ کے ذیل میں آیت یا حدیث یا کسی کا قول مذکور ہے ان کا نام ہم ''تراجم مجردہ غیر محضہ'' رکھ لیتے ہیں اور اس کے نظائر کتاب میں بکثرت موجود ہیں۔

دوسرے وہ کہ محض ترجمہ منعقد کر کے اس کے بعد اور کچھ مذکور نہیں یعنی جیسے ترجمہ کے لیے حدیث مسند مذکور نہیں ایسے ہی ترجمہ کے ذیل میں بھی کوئی آیت یا حدیث یا اثر داخل نہیں صرف دعوے کے سوا کوئی چیز موجود نہیں ان کا نام ہم ''تراجم مجردہ محضہ'' مناسب سمجھتے ہیں اور اس کے نظائر بہت کم ہیں۔

قسم ثانی یعنی تراجم مجردہ محضہ میں کچھ ابواب ایسے بھی ہیں کہ ان میں مؤلف رحمہ اللہ نے نفس آیات کو ترجمہ بنایا ہے تو اب تراجم مجردہ کی تین صورتیں ہو گئیں:

اوّل: تراجم مجردہ غیر محضہ

دوسرے: تراجم مجردہ محضہ جن میں آیات کو ترجمہ بنایا ہے ان کا نام ''تراجم مجردہ محضہ صوریہ'' مناسب ہے۔

تیسرے: تراجم مجردہ محضہ جن میں مؤلف نے اپنے قول کو ترجمہ بنایا ہے ان کا نام ''تراجم محضہ حقیقیہ'' رکھ لیجیے۔

اس تفصیل کے بعد عرض ہے کہ قسم اول یعنی ''تراجم مجردہ غیر محضہ'' میں تو چونکہ آیت یا حدیث یا قول مسند قابل احتجاج کو ترجمہ کے ساتھ ذکر کیا ہے جو کہ اثبات دعویٰ کے لیے بالکل کافی ہیں تو ظاہر ہے کہ مؤلف کے ثبوت دعویٰ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہیں جس کی وجہ سے کسی دوسری دلیل کا لانا ضروری سمجھا جائے، دلائل مذکورہ پر مؤلف کا قناعت کرنا کسی طرح موجب خلجان نہیں ہوسکتا۔

ایسی ہی قسم ثانی یعنی ''تراجم محضہ صوریہ'' میں اگرچہ ظاہر میں ترجمہ کے ساتھ کوئی دلیل مذکور نہیں مگر خود ترجمہ چونکہ آیت قرآنی ہے جو کہ دلیل فوق جمیع الادلہ ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنے ثبوت میں کسی دلیل کی حاجت نہیں ظاہر نظر میں محض ترجمہ نظر آتا ہے اور حقیقت میں وہ دعویٰ **دلیلها نفسها** کا مصداق ہے اس لیے اس قسم کے تراجم کا حال بھی بے تکلف اور بطریق اولیٰ وہی ہونا چاہئے جو قسم اوّل کا مذکور ہوا، ان دونوں قسموں میں مؤلف کے دعوے کو بلا دلیل خیال کرنا دعویٰ مخالف دلیل ہے۔

باقی یہ امر کہ ان دونوں قسموں میں مؤلف حدیث مسند حسب عادت مستمرہ کیوں نہیں لایا صرف آیت وغیرہ پر قناعت کیوں کی؟ سو اس کی وجہ یا یہ ہوتی ہے کہ شرائط مؤلف کے مطابق کوئی حدیث نہیں ملی یا حدیث ایسی موجود ہے مگر چونکہ دوسرے موقع میں مذکور ہے اس لیے بوجہ لزوم تکرار یہاں ذکر نہیں کرتا یا تمرین وتشحیذ منظور ہے۔

اب باقی رہ گئی تیسری صورت یعنی ''تراجم محضہ حقیقیہ'' کہ نہ ان کے ساتھ کوئی

دلیل مذکور ہے اور نہ وہ خود حجت اور دلیل شمار ہوسکتی ہے اور اس لیے وہ محض دعویٰ بلا دلیل نظر آتے ہیں، سوان کے متعلق یہ عرض ہے کہ مکرر ورق گردانی کے بعد بھی ایسے تراجم ہم کو بہت کم ملے جن کا عدد دس تک بھی نہیں پہنچتا اور ہمارے قصور نظر کے احتمال اور اختلاف نُسخ کی بنا، پر غایۃ مافی الباب اس عدد میں قدرے زیادتی بھی ممکن ہے مگر ایسی ہی کمی بھی ممکن ہے، سوان تراجم قلیلہ میں اکثر تو ایسے ہیں کہ باب سابق میں یا لاحق میں ان کے مطابق صریح حدیث مسند مذکور ہے، کل دو یا تین باب ایسے ہیں کہ گوان کے آس پاس کے ابواب میں بھی حدیث مطابق نظر نہیں آتی مگر ابوابِ بعیدہ میں ان کے مطابق حدیث موجود ہے، ان سب باتوں پر نظر ڈالنے کے بعد راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے ان مواقع میں بھی تراجم محضہ پر بالقصد قناعت کی ہے اور بوجہ احتراز عن التکرار یا بغرض تشحیذ اذہان یا بہر دو وجہ ان احادیث کو اثبات مدعا کے لیے کافی سمجھا جو ابواب متصلہ یا بعیدہ میں مذکور ہیں۔ هذا ما عندنا من التفصيل والله اعلم بالصواب وبمراد العباد.

(۱۰) بعض مواقع میں مؤلف رحمہ اللہ ایک مدعا کو مکرر تراجم اور ابواب میں ثابت فرماتے ہیں اور اس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً ان میں اجمال ہوتا ہے دوسرے باب میں تشریح کر دیتے ہیں، کبھی اول میں حدیث مسند کے ماسوا کسی دلیل سے ثابت کر جاتے ہیں دوسرے باب میں حدیث مسند سے ثابت کر دیتے ہیں، کبھی تراجم میں تعدد ہوتا ہے مگر مدعا ان سے ایک ہوتا ہے، کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ ترجمہ کے لیے جو حدیث لاتے ہیں اس سے ثبوت مدعا میں کوئی کوتاہی یا کمی نظر آتی ہے اس کے بعد دوسرے باب میں جو حدیث لاتے ہیں اس سے کوتاہی اور کمی سابق کی بھی مکافات ہو جاتی ہے، کبھی ایک ترجمہ کے اثبات کے لیے حدیث مسند بیان کرتے ہیں جس سے اس ترجمہ کے علاوہ دوسرا ترجمہ مناسب مقام بھی ثابت ہوتا ہوا اس کے بعد اس

دوسرے ترجمہ کو منعقد فرما کر حدیث نہیں ذکر کرتے پہلی حدیث پر بس (اکتفاء) کرتے ہیں، جو غور نہیں کرتا وہ کہتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ کسی وجہ سے حدیث نہیں لا سکے حالانکہ بخاری رحمہ اللہ پہلے ہی فارغ ہو چکے ہیں۔ کما فصلناه في التراجم المجردة.

کبھی ترجمہ میں چند امور مذکور ہوتے ہیں مگر حدیث میں صرف بعض کا ذکر ہوتا ہے تو ایسی حالت میں کہیں تو ترجمہ کے ذیل میں آثار واقوال سے اس کی مکافات کر جاتا ہے اور کبھی یوں معلوم ہوتا ہے کہ قیاس پر حوالہ منظور ہوتا ہے۔

بہت مواقع میں ترجمہ میں ایک لفظ مجمل ومبہم ایسا لاتے ہیں کہ شراح بھی اس کی تعیین وتفصیل میں مختلف ہو جاتے ہیں ایسی صورت میں وہ احتمال راجح ہونا چاہئے جو مناسب مقام زیادہ ہو اور جس میں مؤلف پر کوئی خدشہ عائد نہ ہو، اگر دونوں مساوی ہوں تو ہم سمجھیں گے کہ مؤلف کی مراد دونوں ہیں اور اسی لیے ایسا لفظ اختیار کیا ہے۔

(۱۱) بہت جگہ ایسے ترجمے نظر آتے ہیں کہ جن کے بیان کرنے کی حاجت معلوم نہیں ہوتی سو اس کی چند وجہ ہیں:

ایک یہ کہ کسی قول قائل کے رد کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق کے کسی قول کی تردید کی طرف مؤلف نے بہت جگہ اشارہ کیا ہے جس کا پتہ ان کتابوں کے تفحص سے معلوم ہو سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض مواقع میں کسی خدشہ کا احتمال ہوتا ہے یا کسی روایت کے تخالف اور تضاد کی طرف وہم جاتا ہے اس کے انسداد کے لیے مؤلف ایسا کرتا ہے۔

تیسرے یہ کہ جواز واباحت کے بیان کرنے کی گو حاجت نہ ہو مگر سنیت واستحباب کا اثبات منظور ہو جو قول وفعل شارع پر موقوف ہے اور حکم قیاسی اور مستنبط کو منصوص کر دینا دیکھو کتنا انفع اور اہم ہے۔

(۱۲) کبھی مؤلف رحمہ اللہ ایک ترجمہ منعقد کرتے ہیں جو اُن کو مقصود ہے مگر روایات میں بعینہٖ اس کی دلیل نہیں ملتی یا دلیل میں قلت اور تنگی ہے یا کوئی خلجان ہے، اس لیے ترجمہ کے بعد اس کے مناسب دوسرا ترجمہ بیان کردیتا ہے جس کے دلائل بعینہٖ صریح موجود ہیں اور ترجمہ ثانی کے مطابق روایت ذکر کرتا ہے اور مقصود اس روایت سے ترجمہ اولیٰ کا اثبات ہوتا ہے جو مقصود ہے ترجمہ ثانی صرف استدلال میں وسعت اور سہولت پیدا کرنے کو لاتا ہے۔

(۱۳) کبھی ترجمہ میں دو امر مذکور ہوتے ہیں لیکن حدیث صرف ایک جزو کے متعلق مذکور ہوتی ہے جس کو دیکھ کر خیال ہوتا ہے کہ ایک جزو بلاثبوت رہ گیا مگر مقصودِ مؤلف چونکہ جزوِ واحد ہے دوسرا جزو مسلَّم اور ظاہر ہے فقط تبعاً یا احتیاطاً بیان کردیا ہے اس لیے اس کے متعلق حدیث بیان کرنے کی حاجت نہیں ہوتی۔

(۱۴) کبھی ترجمہ کے بعد اس کے مطابق حدیث بیان کرکے دوسری روایت ایسی بیان کرجاتے ہیں جس کا تطابق ترجمہ سے ظاہر نہیں ہوتا سو اس کی یہ وجہ ہے کہ حدیث اول میں کوئی امر قابل بیان ہوتا ہے اس کی تکمیل کی ضرورت سے حدیث ثانی لاتا ہے اثبات ترجمہ کے لیے نہیں لاتا بلکہ بعض اوقات کسی ضرورت سے حدیث ثانی مخالف ترجمہ بیان کرجاتا ہے۔

(۱۵) اکثر مواقع میں ترجمہ کا حکم مذکور نہیں ہوتا ترجمہ کو مطلق ذکر کرتے ہیں سو اکثر تراجم میں تو اس کا مطلب بے تکلف ناظرین سمجھ لیتے ہیں مگر بعض مواقع میں علماء میں خلاف پیش آجاتا ہے، کبھی اس کی وجہ سے مؤلف پر عدم تطابق حدیث کے الزام کی نوبت آتی ہے، ایسی صورت میں مناسب یہی ہے کہ روایات میں غور کرنے کے بعد ترجمہ میں اطلاق یا تقیید جو اولیٰ ہو اس کو قائم رکھا جائے اور تعیین قید میں بھی موافقت احادیث ملحوظ رہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
ہست کلید در گنج حکیم

بسم اللّٰہ افتتحت وعلیه توکلت اللّٰهم انی اسئلک رحمة من عندک تهدی بها قلبی وتجمع بها امری وتلم بها شعثی، وصلی اللّٰہ علی سیدنا ومولانا محمد وعلی اٰله وصحبه وسلم۔

بدر دو صاف ترا حکم نیست دم در کش
کہ ہر چہ ساقی ماریخت عین الطاف ست

اصول کلیہ کے بعد تراجم جزئیہ کے متعلق بتفصیل عرض کیا جاتا ہے مگر جو تراجم کہ ظاہر ہیں ان میں کوئی دشواری نہیں ان کے ذکر کی بھی حاجت نہیں۔ اللّٰهم الهمنی رشدی واعذنی من شر نفسی.

باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ ﷺ وقول اللّٰہ جل ذکرہ
اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ

یہ اول باب ہے اور مؤلف رحمہ اللہ اور ناظرین علماء کی نظروں میں ہمیشہ سے مہتم بالشان چلا آتا ہے شراح محققین نے اس کے متعلق ہر ہر امر کو بسط سے تحریر فرمایا ہے مگر ہم صرف وہی امر عرض کرنا چاہتے ہیں جو ہم کو یہاں مقصود ہے اس لیے اول ترجمہ کے متعلق کچھ عرض کرتے ہیں اس کے بعد احادیث مندرجۂ باب کی تطبیق ترجمہ کے ساتھ بیان کریں گے جو ہم کو اس تالیف سے مقصود ہے۔ واللّٰہ الهادی.

شروع اصول میں ہم عرض کر چکے ہیں کہ بسا اوقات ترجمۃ الباب کا مدلول مطابقی مؤلف کو مطلوب نہیں ہوتا بلکہ اس سے کسی خاص غرض کی طرف اشارہ ہوتا ہے اسی کو احادیث باب سے ثابت کرنا منظور ہوتا ہے سو یہاں یہی صورت ہے۔ اوّل تو ملاحظہ فرمائیے کہ مؤلف نے کتاب کو باب وحی سے شروع کیوں فرمایا؟ اس کی کیا وجہ؟

حالانکہ دیگر کتب احادیث کے موافق ابواب فضائل قرآن کو اپنے موقع پر بیان کیا ہے اور متعدد ابواب نزول وحی کے متعلق وہاں مذکور ہیں یہاں صرف اس ایک باب کے مقدم لانے میں کیا غرض ہے اس جدت کی کیا وجہ؟ سو ادنیٰ توجہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ نبی ﷺ کی نبوت اور تمام اصول وفروع اسلامی کی صحت چونکہ وحی پر موقوف ہے اس لیے سب سے پہلی حتیٰ کہ ایمان اور علم سے بھی اول وحی کا ذکر مناسب ہوا، چنانچہ شراح محققین صاف یہی ارشاد فرماتے ہیں سو اس سے معلوم ہوگیا کہ مؤلف رحمہ اللہ کی غرض اس موقع میں یہ ہے کہ وحی پر چونکہ جملہ امور اسلامیہ کا مدار ہے اور یہی ایک ایسی دلیل ہے کہ جس میں کسی طرف سے خطا وغلط کا ادنیٰ احتمال نہیں ہوسکتا لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ اور یہی بندہ پر مفترض الطاعۃ ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ.

اور تمام اہل عقل اور اہل اشراق وحکمت اور تمام مخلوقات بھی مل کر اس کے کسی ایک حکم کا معارضہ نہیں کر سکتے اور جیسا وحی کا حق وصواب ہونا ضروری ہے ایسے ہی اس کے خلاف کا باطل اور لغو ہونا یقینی ہے۔ عقائد ہوں یا اعمال، اصول ہوں یا فروع، عبادات ہوں یا معاملات، اخلاق ہوں یا احوال سب کے حسن وقبح کا منشاء اور حجت قاطعہ وحی ہے، وحی کے ہوتے کوئی دلیل، کوئی حجت قابل التفات بھی نہیں۔ اس لیے مؤلف اپنی کتاب میں اول وحی کی عظمت اور عصمت اور صداقت کو بیان فرما کر اس کے بعد اور چیزوں کو ذکر کریں گے اور جو کچھ بیان کریں گے سب ماخوذ من الوحی ہوگا حتیٰ کہ وحی کے متعلق بھی جو احوال بیان کریں گے وہ بھی وحی سے ہی ماخوذ ہوں گے کیونکہ قابل اعتماد اگر ہے تو وحی ہے اس کے بعد احادیث ستہ مذکورہ فی الباب میں بھی غور کرنا ضروری ہے کہ ظاہر ترجمہ کے موافق ایک روایت ہے وبس۔ جس سے بسہولت یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ ظاہر ترجمہ کا بیان کرنا مقصود نہیں، مؤلف

کی غرض کچھ اور ہے سواس غرض مضمر کے دریافت کرنے کا طریقہ اس سے بہتر اور سہل اور قابل اعتبار کوئی نہیں ہوسکتا کہ اُنہی احادیث میں غور کرنے کے بعد ایک امر مشترک مناسب مقام معین کر کے مقصود ترجمہ ٹھہرایا جائے کہ جملہ احادیث مذکورہ فی الباب بسہولت اس پر منطبق ہو جائیں اور مؤلف کا مقصود بھی محقق اور ثابت ہو جائے سواحادیث مذکورہ میں تامل کرنے سے یہی سمجھ میں آتا ہے کہ غرض مؤلف بیان عظمت وعصمت وحی ہے **كما لايخفى على المتأمل المتفطن.**

بالجملہ ہر دو امر معروضہ بالا سے خوب دل نشین ہوتا ہے کہ ترجمۃ الباب سے مؤلف کی غرض اثبات عظمت وصداقت وحی ہے اب اس پر جس صاحب فہم کا دل چاہے احادیث باب کو منطبق کر لے ان شاء اللہ کسی روایت کی تطبیق میں تاویل کی بھی حاجت نہ ہوگی۔

استحساناً اتنا ہم اور بھی عرض کئے دیتے ہیں کہ بدء الوحی میں مؤلف نے مبدأ کو عام رکھا ہے اس لیے اس کو اپنی طرف سے زمان یا مکان کے ساتھ مقید کر لینا ہرگز ٹھیک نہیں بلکہ زمان ومکان دونوں سے عام ہے **كما يظهر من الاحاديث** نیز وحی بھی متلو اور غیر متلو دونوں کو شامل ہے کما صرح بہ الشاہ ولی اللہ قدس سرہٗ بلکہ مؤلف کا مقصود اعظم وحی غیر متلو ہے اور اس موقع پر خاص وحی متلو مراد لینے سے صرف تطبیق ہی میں خلل نہیں پڑتا، مؤلف رحمہ اللہ کی جو اس ترجمہ سے غرض اصلی ہے وہ فوت ہو جاتی ہے **فالحذر الحذر** خلاصہ یہ ہے کہ یہ باب مقدمۃ الکتاب ہے اس کے بعد مقاصد ہیں۔

ترجمہ کے بعد مؤلف رحمہ اللہ نے **وقول الله جل ذكره** اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ كَمَا اَوْحَيْنَا اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيِّيْنَ مِنْ بَعْدِهٖ بیان کیا اگرچہ اقرب اور ظاہر یہ ہے کہ لفظ قول کو مرفوع بتقدیر الخبر کہا جائے یعنی **وفيه قول الله جل ذكره** مگر انصاف سے یہ امر قابل نزاع نہیں ہم کو مؤلف رحمہ اللہ کے مدعا سے مطلب ہے سو مؤلف کی غرض

یہ ہے کہ قول سبحانہ وتعالیٰ سے اپنے ترجمہ پر استدلال لائے قول کو چاہو مرفوع پڑھو چاہو مجرور، مؤلف اکثر تراجم کے ساتھ آیات قرآنی کو بغرض استدلال ذکر کرتے ہیں مگر کبھی عنوان استدلال کا ہوتا ہے اور کبھی عطف سے ذکر کر جاتے ہیں۔

اس کے بعد عرض ہے کہ اس سے پہلے رکوع میں یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتَابِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فرما کر اہل کتاب پر سخت سخت الزامات کا اور وعید کا تمام رکوع میں ذکر ہے اس کے بعد اِنَّا اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ سے ان کے سوال کا تحقیقی اور تفصیلی جواب دیا جاتا ہے اور اس رکوع میں بلکہ اخیر سورۃ تک وحی کی عظمت اور صداقت اور اس کی متابعت کی فرضیت اور وحی منزّل علی رسولنا الکریم علیہ الف صلوات کی فضیلت اور امتیاز کا اس تفصیل سے ارشاد ہے جس کی نظیر قرآن مجید میں دوسری جگہ ہم کو نہیں ملتی۔ اس سے دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

اوّل یہ کہ مؤلف رحمہ اللہ کی غرض اس باب سے بے شک ثبوت عظمت وصداقت وحی ہے کما مرّ صاف معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف محقق غائر النظر نے تمام قرآن مجید میں سے انہیں آیات کو اپنے ثبوت مدعا کے لیے وافی شافی سمجھ کر انتخاب کیا۔

دوسرے یہ کہ صرف اسی حصہ آیت سے جو کہ ترجمہ میں مذکور ہے استدلال لانا منظور نہیں بلکہ اس کے ساتھ جملہ الی آخر ذکر الوحی ملحوظ ہے چنانچہ علامہ سندھی وغیرہ شارحین کے ارشاد سے ظاہر ہوتا ہے اور مؤلف نے متعدد مواقع میں ایسا کیا ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بظاہر ترجمۃ الباب گو ایک جملہ ہے مگر مؤلف کو ملحوظ تمام رکوع بلکہ دونوں رکوع ہیں جس سے مؤلف کا مدعیٰ اس قدر مستحکم معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ کا استحکام بھی ہیچ نظر آتا ہے۔

مطلب کی باتوں سے فارغ ہو کر ہم چاہتے ہیں کہ آیت کریمہ میں جو قید مِنْ بَعْدِهٖ مذکور ہے اس کے متعلق بھی بالاختصار کچھ عرض کر دیا جائے ہر چند ہماری غرض

اصلی میں اس کو دخل نہیں مگر اول تو تعلق سے خالی نہیں دوسرے حضرات مفسرین اور شراح حدیث نے عامۃً اس چھوٹی سی بات کو قابل لحاظ غالباً نہیں سمجھا اس لیے اس سے بحث نہیں کی اور ہمارا مبلغ اور منتٰہی اسی قسم کی باتیں ہیں اس لیے عرض ہے کہ یہ بات تو ظاہر ہے کہ اگر من بعدہ کی قید نہ ہوتی تو چونکہ النبیین میں تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام داخل ہیں تو جملہ انبیاء کی وحی مشبہ بہ میں ضرور شمار ہوتی اب اس قید بعدیۃ سے جو انبیاء حضرت نوح علیہ السلام سے مقدم ہیں ان کی وحی مشبہ بہ سے خارج رہی سو اس کے اخراج کی کیا وجہ؟ بظاہر تعمیم چسپاں معلوم ہوتی ہے سو اس کی وجہ حدیث صحیح اور ارشاد بعض محققین سے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ سب سے اوّل احکام خداوندی جو بندوں کی طرف لے کر آئے اور احکامِ شریعت کی سب کو من جانب اللہ تکلیف دی وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں اسی لیے احادیث صحیحہ میں ان کے حق میں اول رسول بعثه اللّٰہ اور اول الرسل الی اهل الارض وغیرہ ارشادات موجود ہیں اور اسی لیے ان کی مخالفت پر عذاب اول آیا اور حضرت نوح سے پہلے جو انبیاء ہوئے ان کی تعلیم اور ہدایت اپنی اولاد اور اپنی قوم کو ایسی سمجھنی چاہئے جیسے باپ کی تربیت اپنی اولاد کو اور بزرگوں کی نصیحت اپنے اتباع کو۔

نیز حضرات اکابر کے ارشاد سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام تک کا زمانہ عالم اور شخص اکبر کی طفولیت کا زمانہ تھا حضرت نوح علیہ السلام کے وقت سے بلوغ اور تکلیف کا زمانہ شروع ہوا اس لیے ابتدائی زمانہ میں تو امور متعلقہ معیشت میں مشغولی زائد رہی اس کی ضرورت تھی اور اس کی مامور بھی تھی اس کے ساتھ ساتھ بقدر ضرورت آہستہ آہستہ تعلیم احکام بھی ہوتی رہی، جب زمانۂ تکلیف کی نوبت آئی تو پھر ایک صاحب شریعت کو رسول خداوندی مقرر کر کے ان کی طرف بھیجا گیا اور اس کی متابعت کا امر ہوا جس نے ان کے حکموں

کو قبول کیا جو درحقیقت احکام خداوندی تھے وہ فائز ہوا اور جس نے ان کی مخالفت کی جو درحقیقت مخالفت احکام الٰہی تھی وہ ہلاک اور غارت ہوئے تو اب مِنْ بَعْدِہٖ کے ارشاد سے بلا تامل یہ سمجھ میں آتا ہے کہ آیۃ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ اے نبی الانبیاء ہم نے جو تم پر وحی بھیجی تو وہ وحی وہ وحی ہے جو حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک بھیجی گئی تھی یہ وہ وحی نہیں جو ابتداء میں حضرت نوحؑ سے پہلے بھیجی جاتی تھی اس وحی کی مخالفت کا وہی نتیجہ ہے جو حضرت نوحؑ اور حضرت ہودؑ اور حضرت صالحؑ اور حضرت موسیٰ وغیرہ علیہم الصلوٰۃ والسلام کی امتوں پر گذر چکا جس سے اس وحی کی عظمت اور واجب التسلیم ہونے میں بہت ترقی ہوگئی اور اس کی مخالفت پر تنبیہ اور تہدید بھی پوری ہوگئی وہو المقصود۔

اس کے بعد یہ ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اب ہر ہر حدیث کی تطبیق مفصل عرض کی جائے ان شاء اللہ تمام معروضات کے ملاحظہ کے بعد ہر فہیم منصف بے تکلف تطبیق دے سکتا ہے البتہ بنظر احتیاط اتنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر ایک حدیث کے متعلق بھی مختصر طور پر کچھ کچھ عرض کر دیا جائے۔

سو سنئے ترجمہ کے ساتھ جو آیۃ مذکور ہے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ وحی کا مبدء ذات تعالیٰ وتقدس ہے، یہ خاص اسی کا پیام اور اسی کے احکام ہیں جو اس نے اپنے نبی پر نازل فرمائے، فرشتہ یا نبی وغیرہ کسی کا کلام نہیں۔ اور آخر مضمون وحی تک غور سے دیکھ لو کس قدر اہتمام اور تاکیدات کے ساتھ وحی کی شان ارشاد فرمائی گئی ہے بالجملہ ان آیات سے محقق ہو گیا کہ وحی کا بھیجنے والا حق تعالیٰ شانہ ہے اور یہ وحی نبی کے سوا اور کسی کی طرف نہیں بھیجی جاتی۔

اس کے بعد مؤلف نے اول حدیث انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی ... الخ کو ذکر کیا جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نیت اعمال کے

لیے مبدأ اور منشاء ہے، نیت اصل ہے اور اعمال اس کی فرع، تو جس شخص سے اعلیٰ درجہ کے اعمال ظاہر ہوں گے ہم ضرور سمجھ جائیں گے کہ اس کی نیت اعلیٰ ہے بلکہ یوں کہہ لیجیے کہ حق سبحانہ اپنے جس بندہ سے جو معاملہ فرماتا ہے اور اس سے جس درجہ کا کام لینا منظور ہوتا ہے اول ضروری ہے کہ اس کی نیت بھی اسی درجہ کی ہو چنانچہ شیخ داؤد کبیر رضی اللہ عنہ اپنی کتاب عیون الحقائق میں اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

علی قدر ارتقاء همتک في نيتک يکون ارتقاء درجتک عند عالم سريرتک

تو اب حدیث **انما الاعمال بالنيات** سے معلوم ہوگیا کہ وحی الٰہی جس پر نازل ہوتی ہے یعنی کار نبوت جس سے لینا منظور ہوتا ہے ضروری ہے کہ اول اس کی نیت بھی اس درجہ کی ہو جس سے ''خاتم النبیین'' کی نیت کا ''خاتم النیات'' ہونا بالبداہت معلوم ہوگیا۔

اس کے بعد دوسری روایت حضرت عائشہؓ کی مذکور ہے جس میں **کيف ياتيک الوحي** اور اس کا جواب موجود ہے، اس حدیث سے دو امر ظاہر ہوتے ہیں:

اوّل یہ کہ آپ کے پاس وحی لے کر مَلَک آتا ہے یہ پہلے معلوم ہو چکا تھا کہ مرسِل حق تعالیٰ اور مرسَل الیہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اب معلوم ہوگیا کہ رسول یعنی وحی لانے والا مَلَک ہے نزول وحی کے لیے یہی مبادی ثلاثہ ضروری ہیں۔

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوگئی کہ نزول وحی کے وقت آپ پر بہت شدت ہوتی تھی اسی کی تائید کے لیے اس حدیث کے آخر میں حضرت عائشہؓ کا قول مذکور ہے کہ میں نے خود دیکھا کہ برد شدید میں آپ پر جب وحی نازل ہوتی تو پیشانی مبارک سے عرق بہنے لگتا تھا، اس سے بھی وحی کی عظمت معلوم ہوتی ہے اور وحی کا من اللہ ہونا سمجھ میں آتا ہے۔

اس کے بعد تیسری روایت حضرت صدیقہؓ کے غار حراء کے قصہ کے متعلق مفصل مذکور ہے جس میں غار حرا سے پہلے اور غارِ حرا کی حالت مندرج ہے، تمام بـاب بـدء الـوحی میں یہی ایک حدیث ہے جو صراحۃً ترجمہ کے مطابق ہے اس کے تطابق میں کسی کو تاویل کی یا مؤلف رحمہ اللہ پر اعتراض کرنے کی نوبت نہیں آئی اس لیے اس کی مطابقت میں ہم کو کچھ عرض کرنے کی حاجت نہ تھی مگر جب ہم دیکھتے ہیں کہ عبارات شروح سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید وجہ مطابقت یہی ہے کہ غار حراء سے ابتداء نزول وحی ہوا وبس۔ حالانکہ عظمت وصداقت وحی سے ابتداء مذکور کو کوئی خاص تعلق بھی نہیں معلوم ہوتا جو کہ اس موقع میں مؤلف کو مقصود ہے اس وجہ سے یہ عرض ہے کہ تامل سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کو اس مفصل روایت کے بیان فرمانے سے چند مبادی نزول وحی بتلانی منظور ہیں جن سے عظمت وصداقت وحی دل نشین ہوتی ہے دیکھئے انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ خِلقۃً جامع ملکات فاضلہ اور اخلاق جمیلہ اور جائز افعال حسنہ اور خصال حمیدہ تھے جو کہ مبدأ ومنشاء نبوت ہیں اور کتاب التفسیر میں وتصدق الحدیث بھی اس روایت میں موجود ہے۔ پھر جب وحی کا وقت آیا تو شروع وحی رؤیائے صالحہ صادقہ سے ہوا پھر آپ کو خلوت اور سب سے یکسوئی پسند ہوئی تو غار حراء میں آپ کچھ عرصہ عبادت وریاضت میں برابر مشغول رہے ان تمام مراحل کے بعد وحی فرشتہ لے کر آیا تو وہ آپ کو بار بار امر کرتا ہے اِقْرَأْ آپ عذر کرتے ہیں کہ مَا اَنَا بِقَارِیٔ یعنی پڑھ نہیں سکتے فرشتہ نے بہت قوت سے تین بار آپ کو دبایا اس کے بعد چند آیات اِقْرَأْ کے شروع کی آپ کو پڑھائیں جن میں صرف قراءۃ کا آپ کو حکم ہے باقی حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انعام علمی کا جو خاص انسان پر فرمایا گیا ہے مذکور ہے جس سے آپ کی تسکین وتقویت

مترشح ہوتی ہے نماز یا روزہ وغیرہ کسی کام کی تکلیف آپ کو نہیں دی گئی تھی مگر اس پر بھی آپ کے قلب مطہر اور جسم مبارک پر لرزہ تھا اسی حالت میں گھر تشریف لائے اور دیر تک کپڑے میں لپٹے لیٹے رہے جب وہ کیفیت فرو ہوئی تو آپ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھ کو جان کا خوف ہوتا ہے انہوں سے زور سے اس اندیشہ کا انکار کیا اور آپ کی مدلل تسکین کی اور ورقہ جو انجیل کا عالم اور حالات انبیاء سے واقف تھا اس کے پاس آپ کو لے گئیں اس نے سن کر آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور تقویت دلائی۔

اب دیکھ لیجیے کہ اس حدیث میں اول سے آخر تک مبادی وحی موجود ہیں تمام اخلاق واعمال واقوال وحالات کی کیفیت معلوم ہوگئی اور عبادات وریاضات وشدائد کا حال معلوم ہوگیا ان کو ملاحظہ کر کے وحی کی عظمت اور اس کی صداقت کو سمجھ لیں جو مؤلف کو مقصود ہے۔

چوتھی روایت حضرت ابن عباسؓ کی ہے جس میں آیت کریمہ لَاتُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ کی تفسیر ہے اس سے بھی چند امور مناسب مقام ظاہر ہیں حضرت جبریل علیہ السلام کا آپ پر وحی لانا اور نزول وحی کے وقت آپ پر شدت ہونی اور علاوہ اس شدت کے جو حدیث سابق میں گذر چکی ایک شدت یہ بھی ہوتی تھی کہ اسی شدت کی حالت میں آپ وحی کو سن کر حضرت جبریل کے ساتھ ساتھ خود بھی پڑھتے تھے اور ضبط وحی میں جد و جہد فرماتے تھے جس کی نسبت حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے تکفل فرمایا اور اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فرما کر اس دشواری کو سہل کر دیا اور سہو وخطا کے خوف سے آپ کو پورا مطمئن کر دیا گیا، اور معلوم ہوگیا جو ذات اقدس وحی کا مبدء اور مرسل ہے وہی حفاظت کی متکفل ہے جس سے رسول کریم کے سہو ونسیان کے احتمال کی بھی گنجائش نہ رہی اور وحی پر اعتماد کلی ہوگیا۔

پانچویں روایت بھی ابن عباسؓ کی ہے جس میں رمضان شریف کی ہر رات میں

حضرت جبریل کا آپ کے ساتھ قرآن مجید کا مدارسہ کرنا مذکور ہے اور یہ کہ اس زمانہ میں آپ کا اجود بالخیر ہونا اور بھی بے حد بڑھ جاتا تھا۔

اس سے وحی کا مزید اختصاص ماہِ رمضان کے ساتھ بالبداہت سمجھ میں آتا ہے جو کہ افضل مشہور ہے اور شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ کے مؤید، اس حدیث سے وحی کی بدء زمانی کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے جو بعض روایات میں مصرح مذکور ہے مگر وہ روایات شروط مؤلف کے موافق نہیں نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ نزول وحی سے آپ کے کمالات میں بہت ترقی ہوتی تھی جس کا نفع اوروں کو بھی پہنچتا تھا ان جملہ امور سے بھی عظمت و برکت وحی عیاں ہے۔

اس کے بعد چھٹی روایت بھی ابن عباسؓ کی ہے جس میں ہرقل کا طویل قصہ مفصل مذکور ہے ہرقل نے جو دس گیارہ سوال ابوسفیان بن حرب سے کئے اور سب کے جواب سن کر اس نے کہا: ”فان کان ما تقول حقا فسیملک موضع ھاتین الی آخر مقالتہ ......“ اس سے آپ کی مبادی وحی بہت سی معلوم ہوتی ہیں اور ابوسفیان اس وقت تک مشرف بہ اسلام نہ ہوئے تھے خود ابوسفیان کا قول مصرح موجود ہے حتی ادخل اللہ علیَّ الاسلام والفضل ما شھدت بہ الاعداء اور ان دس گیارہ باتوں کے سوا اور امور بھی اس روایت میں ایسے موجود ہیں کہ جن سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہوتی ہے۔

بالجملہ ترجمۃ الباب کا مطلب یہ ہے کہ آپ پر جو وحی نازل ہوئی اس کے مبادی اور احوال متعلقہ کیا ہیں ان کو دیکھنا چاہئے اور مقصود اس سے یہی ہے کہ وحی کی صداقت اور آپ کی نبوت و رسالت ایک ایسا محقق اور سچا امر ہے کہ ان امور کو دیکھنے کے بعد کوئی منصف اس کے واجب التسلیم اور حق ہونے میں تردد نہیں کرسکتا۔ مسلم ہو یا کافر۔

ان حالات کو دیکھ کر کہانت وسحر وشاعری جو کفار کے خیالات تھے وہ بھی باطل ہو گئے اور ظاہر ہو گیا کہ وحی کا مقابلہ میں کسی کی عقل یا قول مقبول نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ حکم احکم الحاکمین ہے جو نہایت موثق ذریعہ سے نبی معصوم پر نازل ہوا جس میں کسی جہت سے غلطی یا خطا یا نسیان کا احتمال نہیں نیز وکیف وصل الینا بھی بتلانا بھی ضرور ہی منظور ہے **کما صرح الشاہ ولی اللہ ... الخ** اس کا جواب ذکر اسناد ہے۔

اب اس سے فارغ ہو کر مؤلف رحمہ اللہ اول ایمان واسلام کو بیان کرتا ہے اس کے بعد جملہ امور مطلوبہ ایمان اور احکام اسلام کو بیان کرے گا عقائد ہوں یا اعمال، عبادات ہوں یا معاملات الی ختم الکتاب اور جو کچھ بیان کرے گا وہ ماخوذ من الوحی ہوگا۔

کتاب الایمان

باب قول النبی ﷺ بنی الاسلام علی خمس وھو قول وفعل ویزید وینقص

اس کتاب میں جتنے تراجم مذکور ہیں ان کا تطابق احادیث باب کے ساتھ ظاہر ہے مگر مقصود مؤلف اور مطلب ترجمہ میں بعض ابواب میں البتہ خفا ہے سو ایسے مواقع میں کچھ عرض کر دینا مناسب ہے۔

باب اول میں تین ترجمہ بیان کئے جن میں اول بعینہٖ جملہ مذکورہ فی حدیث الباب ہے اور تینوں ترجموں میں باہم استلزام ہے ہر ماقبل مابعد کو مستلزم ہے اور مقصود مؤلف یہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں جس کی وجہ سے ایمان کا زائد اور ناقص ہونا صاف معلوم ہوتا ہے اور یہ سب باتیں ایسی ظاہر ہیں کہ کسی دلیل کی محتاج نہیں، البتہ قابل غور یہ امر ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کو کس کا خلاف کرنا منظور نظر ہے۔

مگر اول اتنا عرض کر دینا مناسب ہے کہ مصداق ایمان میں اعمال کو داخل کرنے

میں تین مذہب ہیں:

ایک یہ کہ اعمال حقیقت ایمان شرعی کے لیے جز حقیقی ہیں واذا فات الجز فات الکل۔

دوسرے یہ کہ اعمال ایمان سے بالکل خارج ہیں حتیٰ کہ مصداق ایمان سے بھی بے تعلق ہیں الایمان قول بلا عمل ان کا مقولہ ہے۔

تیسرے یہ کہ حقیقت ایمانی سے تو خارج مگر ایمان کے لیے متمم اور مکمل ضرور ہیں جیسے اعضائے انسانی حقیقت انسانی سے خارج ہیں مگر کمال انسانی کے لیے موقوف علیہ۔

خلاصہ یہ کہ اعمال حقیقت ایمانی سے تو خارج مگر کمال ایمانی کے جزء اور اس میں داخل ہیں۔ یہ تیسرا مذہب اہل سنت کا ہے اور پہلا خوارج ومعتزلہ کا اور دوسرا مرجئہ کا۔

اور اہل سنت میں جو اس مسئلہ میں خلاف منقول ہے اس کے لفظی ہونے میں وہی شک کرسکتا ہے جو الفاظ سے معانی تک نہیں پہنچ سکتا کما صرح بہ علماء الفریقین تو اب ظاہر اور اقرب یہ ہے کہ مؤلف کو اس باب میں مرجئہ کی تردید مقصود ہے، اختلاف اہل حق کے متعلق کسی پر اعتراض کرنا ہرگز مقصود نہیں ورنہ مؤلف کو نزاع لفظی کا مرتکب ہونا تسلیم کرنا پڑے گا جو کہ شان محققین سے مباین بلکہ داب محصلین سے بھی بعید ہے اور نزاع حقیقی بنانے میں یا فقہاء کو مرجئہ میں شمار کرنا ہوگا یا محدثین کو خوارج ومعتزلہ میں نعوذ باللہ۔ اور اسی پر بس نہ ہوگی بلکہ بہت سے خلجان مؤلف کے بیان میں پیدا ہوں گے اور جگہ جگہ تاویل کی حاجت ہوگی اول ہی ترجمہ جو بنی الاسلام علی خمس ہے اس میں ایمان کا ذکر نہیں علی ہذا اس باب میں جو حدیث آتی ہے اس میں بھی اعمال کا جزء اسلام ہونا ثابت ہوتا ہے نہ جزء ایمان، جن سے اسلام کا یزید وینقص ہونا مسلّم ہوگا نہ ایمان کا، اور اس میں اہل سنت کا خلاف نہیں

اور دیکھئے ترجمہ کے ساتھ جو آیات وآثار منقول ہیں ان میں بعض میں ''ہدایت'' مذکور ہے بعض میں ''تقویٰ'' بعض میں ''دین'' بلکہ بعض میں ''شرعہ'' اور ''منہاج''، تو ان کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے کہ ان سے ایمان کا زائد وناقص ہونا کیسے معلوم ہوا سو ان سب باتوں میں تامل کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کو اس باب میں مرجئہ کی تردید مقصود ہے، اہل سنت کے باہمی خلاف کو جو حقیقت میں خلاف نہیں بیان کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ اور اب سب خلجان مذکورہ بالا مرتفع ہو جائیں گے کیونکہ ان کے ابطال کے لیے اعمال کا ایمان یا اسلام یا دین یا ہدایت یا تقویٰ کسی میں مطلوب اور ماخوذ ہونا کافی ہے۔ فتأمل۔

اس کے بعد اخیر کتاب الایمان تک جتنے ابواب ذکر فرمائے ہیں ان میں بھی اکثر ابواب میں مرجئہ کی تردید کی طرف اشارہ ہے اور بعض میں خوارج اور معتزلہ کا ابطال ہے چونکہ اس مسئلہ میں درحقیقت افراط وتفریط کر کے انہی فرقوں نے اہل حق کی مخالفت میں جدوجہد کی ہے مؤلف رحمہ اللہ نے وحی متلو اور غیر متلو دونوں سے ان کا بطلان ظاہر کر دیا باقی مرجئہ کے ابطال میں زیادہ توجہ کرنے کی یا یہ وجہ ہے کہ ان کی تفریط کا مفسدہ معتزلہ وغیرہ کے افراط کے مفسدہ سے زیادہ ہے کہ تمام اعمال شرعیہ کو غیر ضروری اور گویا فضول بنانا چاہا یا یہ وجہ ہے کہ باب بدء الوحی سے جو مؤلف کو مقصود تھا اس کے مباین قول مرجئہ ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ امر بھی قابل لحاظ ہے کہ مؤلف نے جو ابواب آیندہ میں تراجم میں کسی عمل کو من الایمان اور کسی کو من الاسلام اور کسی کو من الدین کہا ہے اور اس کے اثبات میں آیات واحادیث وآثار لائے ہیں، اور کہیں ترجمہ میں ان میں سے ایک لفظ ذکر کیا اور حدیث میں دوسرا لفظ مذکور ہے مثلاً ترجمہ میں ''اسلام'' کا ذکر ہے اور حدیث میں ''ایمان'' یا ''دین'' مذکور ہے یا اس کا عکس، سو یہ امور قابل خلجان ہرگز نہیں ہونے

چاہئیں، غالبًا مؤلف رحمہ اللہ کو یہ دکھلانا منظور ہے کہ اس باب میں اکابر سلف کا کیا مسلک ہے کما صرح به العلامة السندهي وغیرہ، سو مؤلف نے بخوبی ثابت کر دیا کہ اعمال کو جزء ایمان کہنے میں عند السلف توسع ہے اور نیز ایمان، اسلام، دین وغیرہ میں ایسا ارتباط ہے کہ ایک کے جزء کو دوسرے کا جزء کہنا صحیح اور درست ہے سو ان ابواب سے اول تو مرجئہ کے خیال کی علی وجہ الکمال تردید ہوگئی، دوسرے لطیف اشارہ اس کی طرف معلوم ہوتا ہے کہ ہم کو ان مطالب میں اتباع سلف مناسب ہے مباحث کلامیہ جو متاخرین کا اختراع ہے ان میں انہاک کی ضرورت نہیں گو صحیح ہوں اور مسلک سلف کے مباین نہ ہوں مؤلف رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ بعض مواقع میں خصوصاً مسائل اعتقادیہ متعلقہ صفات وغیرہ میں اہل اہواء کے خلاف کو تو بالتصریح کہیں بالاشارہ ذکر فرماجاتا ہے مگر اہل حق کے خلاف کی طرف بہت اخفا سے اور نہایت احتیاط سے اشارہ کر جاتا ہے جس کو غور صحیح سے کوئی سمجھ سکتا ہے کتاب الرد علی الجهمیه میں یہ امر خوب نظر آتا ہے۔

مرجئہ نے یہ بھی کہا ہے کہ ایمان کے لیے کسی طاقت کی ضرورت نہیں اور کوئی معصیت ایمان کو مضر نہیں، سو مؤلف رحمہ اللہ نے باب حلاوة الإيمان اور باب علامة الإيمان حب الانصار منعقد فرما کر حدیث ثلث من کن فيه وجد حلاوة الايمان ... الخ اور حدیث آية الايمان حب الانصار و آية النفاق بغض الانصار ذکر کی جن سے حسنات کی ایمان کے لیے حاجت اور سیئات کی مضرت صاف معلوم ہوگئی۔

اس کے بعد باب بلا ترجمہ لایا اور حدیث بايعوني على ان لاتشركوا بالله شيئا ولاتسرقوا ولاتزنوا ولاتقتلوا اولادكم ولاتاتوا ببهتان تفترونه بين ايديكم وارجلكم ولاتعصوا في معروف ... الخ کو اس

میں ذکر کیا۔اس باب میں چند احتمال بلا تکلف موجود ہیں۔

باب سابق سے بھی مربوط ہے جس میں حب انصار کو علامت ایمان بتلایا ہے، کیونکہ اجتناب عن الشرک والکبائر بطریق اولیٰ اور بالبداہۃ علامت ایمان ہیں، نیز ابواب سابقہ اور لاحقہ کے مناسب ترجمہ جدید بھی لگا سکتے ہیں مثلاً الاجتناب من الکبائر من الأیمان یا البیعة علی ترک الکبائر من الایمان یا من الدین الفرار من الکبائر اوران دونوں صورتوں میں مثل ابواب سابقہ اور لاحقہ مرجئہ کے ابطال کی طرف بھی اشارہ ہوگا۔ بالجملہ اصول میں جو ترک ترجمہ کی دوصورتیں معروض ہوئیں یہاں دونوں موجود ہیں۔اوراولیٰ یہ ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ نے متعدد تراجم میں مختلف اعمال کا من الایمان اور من الاسلام وغیرہ ہونا ثابت کیا ہے جس سے گو مرجئہ کا مذہب تو برباد ہوگیا مگر خوارج اور معتزلہ کی تقویت کا مظنہ ضرور خلجان میں ڈالتا ہے اس لیے باب بلا ترجمہ ذکر فرما کر ایسی حدیث بیان کردی جس سے خلجان مذکور ہباء منثور ہوگیا، مؤلف نے حدیث ایسی ذکر فرمائی جس سے مرجئہ اور خوارج ومعتزلہ سب کا ابطال بلا تکلف ظاہر ہے اس لیے سب احتمالات چسپاں نظر آتے ہیں اور یہی دل نشین ہوتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کو تکثیر فوائد بھی ترک ترجمہ پر باعث ہوئی ہے۔واللہ اعلم۔

باب قول النبی ﷺ أنا أعلمکم باللّٰہ وان المعرفة فعل القلب لقول اللّٰہ تعالی وَلٰکِنۡ یُّؤَاخِذُکُمۡ بِمَا کَسَبَتۡ قُلُوۡبُکُمۡ

ترجمہ اور حدیث باب میں تو مطابقت بدیہی ہے قابل غور صرف یہ امر ہے کہ ترجمہ کو کتاب الایمان سے کیا تعلق ہے اور مؤلف رحمہ اللہ کا مقصود اس ترجمہ سے کیا ہے؟ سو اس کے متعلق محققین شراح نے اپنی اپنی رائے اور مذاق کے موافق مختلف تقریریں ارشاد فرمائیں ہیں۔

ہمارے خیال میں سب کو دیکھ کر یہ امر راجح نظر آتا ہے کہ ترجمہ سے فعل قلب میں کمی زیادتی ثابت کر کے ایمان قلبی یعنی تصدیق میں تفاضل اور قوت وضعف کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ **وان المعرفة فعل القلب ... الخ** فرما کر اس مطلب کو ظاہر کر دیا۔

باب اوّل میں ایمان کامل میں زیادت ونقصان ثابت کیا تھا اب نفس وحقیقت ایمان میں تفاوت ثابت کر دیا اور غالباً متوہمین کی توہمات کے اندیشہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ سلف صالحین نے ظاہر نصوص کی متابعت کی ہے مباحث کلامیہ متاخرین کے پیچھے نہیں پڑے تصریح کو اختیار نہیں کیا۔ اور احتیاطاً اشارہ پر کفایت کی **کما ھو دابہ فی امثال ھذا. واللہ اعلم.**

باب من کرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یلقی فی النار من الایمان

اس باب میں اور **باب من الدین الفرار من الفتن** میں اس کی طرف بھی اشارہ کرنا مدنظر معلوم ہوتا ہے کہ جیسا اللہ اور رسول اور حسنات کی محبت ایمان میں داخل ہے **کما مر** ایسا ہی کفر اور معاصی کی کراہت ونفرت بھی ایمان میں شمار ہوتی ہے۔ **واللہ اعلم.**

باب تفاضل اھل الایمان فی الاعمال

اس باب سے مطلوب یہ ہے کہ اہل ایمان میں بوجہ تفاوت فی الاعمال باہم تفاضل مسلم ہے جیسا کہ ہر دو حدیث مذکورہ فی الباب سے معلوم ہوتا ہے جس سے اعمال خیر کا مطلوب ومقصود ہونا خوب ظاہر ہو گیا اور مرجئہ کا بطلان بھی سمجھ میں آ گیا۔

باب فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ

اس آیت سے اور حدیث ابن عمرؓ سے جو اس باب میں مذکور ہے اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کی فرضیت اور ایمان کے لیے اعمال کی ضرورت ثابت ہو گئی اور یہ بھی

معلوم ہو گیا کہ حفظ دم اور عصمت مال بدون اقامت صلوٰۃ وادا ءِ زکوٰۃ میسر نہیں ہوگا۔

باب من قال ان الایمان هو العمل لقول الله تعالیٰ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ وقال عدة من اهل العلم فی قوله تعالیٰ فَوَرَبِّكَ لَنَسْاَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ عن قول لا اله الا الله وقال لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ ۝

شروع کتاب الایمان میں مؤلف نے یہ ثابت کیا تھا کہ اعمال جزوِ ایمان ہیں اور ایمان شرعی میں داخل ہیں اب ایمان کا عمل ہونا بیان کرتا ہے جس سے اعمال کا ایمان ہونا اور ایمان کا عمل ہونا معلوم ہو گیا اور فیما بین ایمان واعمال جانبین سے تعلق اور ارتباط قوی محقق ہو گیا۔ اور اطلاق کل واحد منہما علی الآخر کی صحت میں بھی کوئی خلجان نہ رہا۔

اس سے اوّل تو مزعوم مرجئہ کا خوب بطلان ہو گیا، دوسرے چونکہ آیت متعددہ میں عمل کا عطف ایمان پر موجود ہے جس سے فیما بین ایمان وعمل مغایرت ظاہر ہوتی ہے تو ممکن ہے کہ ان آیات سے عدم اطلاق عمل علی الایمان پر کوئی حجت پیش کرے جو نصوص کتاب اللہ اور استعمالات سلف کے مخالف ہے کما صرح بہ العلامۃ السندھی رحمہ اللہ ایضاً اس لیے اس باب میں ثابت کر دیا کہ عمل کا اطلاق ایمان پر شرعاً مسلّم ہے اور عمل ایمان کو بھی شامل ہے، تو اب کتاب اللہ میں جو عمل کا عطف ایمان پر کیا ہے اس کو عطف عام علی الخاص لمزید الاہتمام بالخاص سمجھنا چاہئے کما صرح العلامۃ السندھی یا عمل سے خاص اعمال جوارح مراد لئے جائیں جو مشہور اور ظاہر ہیں۔

استدلال میں جو آیۃ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيٓ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ کو ذکر کیا ہے تقریر استدلال میں اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ کے معنی بما کنتم تومنون ہیں مگر علامہ سندھی اس کو بعید فرما کر یہ کہتے ہیں

کہ اسباب دخول جنت میں چونکہ ایمان سبب اعظم ہے تو بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ میں اس کا داخل ہونا ضروری ہے جس سے ایمان کا عمل ہونا معلوم ہوتا ہے، ایسے ہی فرماتے ہیں کہ عدة اهل علم کے ارشاد کا یہ مطلب ہے کہ قول لا الہ الا اللہ بھی عمل میں داخل ہے یہ مطلب نہیں کہ عمل اسی قول میں منحصر ہے اور غرض یہ ہے کہ حتى عن قول لا الـه الا الـلّٰه میں کہتا ہوں یا اخیر میں وغیرہ من الاعمال کی قید لگالو، اسی طرح لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعَامِلُوْنَ میں بعض شراح عمل سے ایمان مراد لے کر استدلال فرماتے ہیں اور علامہ موصوف بقرینہ مقام ایمان کو عمل میں داخل مانتے ہیں اور فرماتے ہیں چونکہ ایمان اور عمل دونوں کے ذکر کا موقعہ ہے اس لیے ضروری ہے کہ عمل ایمان کو بھی شامل ہو۔

اس کے بعد جو حدیث ابو ہریرہؓ بیان کی اس میں اطلاق عمل علی الایمان صاف موجود ہے۔

ان سب امور سے یہ بات بھی ظاہر ہوگئی کہ ایمان محض عمل ہے غیر عمل ایمان میں کچھ نہیں عمل قلبی ہو یا عمل جوارح۔ واللہ اعلم۔

باب اذا لـم يكن الاسلام على الحقيقة و كان على الاستسلام أو الـخوف من القتل لقوله تعالى قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فـاذا كـان على الحقيقة فهو على قوله جل ذكره اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.

مابین العلماء اس بات میں اختلاف ہوا ہے کہ ایمان واسلام میں باہم کیا تعلق ہے اور کیا نسبت ہے بعض ترادف اور اتحاد کو پسند کرتے ہیں اکثر نے مساوات کو ترجیح دی ہے، بعض حضرات عام اور خاص فرماتے ہیں آیات قرآنی اور احادیث بھی مختلف الظاہر موجود ہیں جن کو محدثین اور متکلمین نے نقل فرمایا ہے اور موقع استدلال میں پیش

کیا ہے اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے اسلام کے معنی نقل فرمائے ایک استسلام وانقیاد ظاہری جو بطمع مال غنیمت یا بخوف قتل واسر ظاہر کیا جائے جس کو مجاز شرعی بھی کہتے ہیں۔

دوسری حقیقۃ شرعی یعنی تمام امور دینیہ کا مجموعہ جس سے اختلاف نصوص بھی مندفع ہو گیا اور خلاف اہل علم بھی نزاع لفظی ہو گیا، نیز آیات وحدیث مثل قَالَتِ الْاَعْرَابُ آمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا اَسْلَمْنَا سے اور ارشاد او مسلما سے جو سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے ایمان اور اسلام میں مغایرت ظاہر ہوتی ہے جو صریح ابواب سابقہ کے مدعٰی کے مخالف ہے کیونکہ مغایرت اسلام سے مغایرت اعمال بھی لازم آتی ہے مؤلف کے اس باب سے اس شبہ کا بھی ازالہ بخوبی ہو گیا۔

باب کفران العشیر وکفر دون کفر

ترجمہ کو کتاب الایمان سے مناسبت نہیں معلوم ہوتی مؤلف رحمہ اللہ نے اس کے ساتھ کفر دون کفر فرما کر ترجمہ سے غرض اور کتاب الایمان سے ترجمہ کی مناسبت دونوں کی طرف اشارہ کر دیا۔

مؤلف رحمہ اللہ کو مناسب مقام دو باتیں پیش نظر معلوم ہوتی ہیں ایک یہ کہ کفر میں تشکیک ثابت کر کے اس کی ضد یعنی ایمان میں تشکیک بتلانا منظور ہے لان التشکیک فی الشیء تشکیک فی ضده.

دوسرے یہ کہ معاصی کفر کے ماتحت اور کفر میں داخل ہیں جیسے اعمال صالحہ ایمان میں داخل ہیں چنانچہ آیندہ ابواب میں اس کو کسی قدر تصریح سے بیان کریں گے۔

کفر میں تشکیک اور معاصی کے کفر میں داخل ہونے سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بعض اعمال کے ترک پر جو نصوص میں کفر کا اطلاق موجود ہے جیسے ترکِ صلوٰۃ اور ترکِ حج پر وہ اطلاق حقیقی ہے اس میں تاویل کر کے اس کو مجازی بنانا تکلف ہے کیونکہ کلی

مشکک کا اطلاق اپنی جمیع افراد پر قوی ہوں یا ضعیف اطلاق حقیقی ہوتا ہے نہ مجازی، نیز جب کفر میں تشکیک ہے تو یہی تشکیک سلب ایمان میں واجب التسلیم ہے جس سے روایات کثیرہ میں تاویلات سے نجات ہوگئی فالحمد للہ۔

باب المعاصي من أمر الجاهلية ولايكفر صاحبها بارتكابها الا بالشرك لقول النبي ﷺ انک امرؤ فیک جاهلية وقول الله اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ

اس باب میں دو ترجمہ مذکور ہیں مگر مقصود اصلی اول ترجمہ ہے دوسرے ترجمہ کو دفع دخل سمجھئے، مطلب یہ ہے کہ جس طرح اعمال خیر امور ایمانیہ اور ایمان میں داخل ہیں کما ظهر من الابواب السابقة اسی طرح پر معاصی امر جاہلیہ یعنی امور شرکیہ میں شمار ہوتے ہیں اور ابواب سابقہ سے اعمال خیر کی ضرورت اور حاجت محقق ہوئی تھی، اب اس باب سے معاصی کی قباحت اور مضرت خوب ثابت ہوگئی جن کے ملنے سے مرجئہ کا قول تو ایک حرف غلط ہوگیا مگر یہ اندیشہ ہے کہ اس ترجمہ سے خوارج یا معتزلہ طمع خام پکانے کو تیار ہو جائیں، اس لیے مؤلف محقق نے اس کے بعد ولایکفر صاحبها بارتكابها فرما کر اس طمع کو روک دیا، اور لقول النبی ... الخ اول کے ساتھ متعلق ہے اور قول اللّٰه تعالیٰ ... الخ دوسرے کی دلیل ہے۔

اس کے بعد حدیث ابوذرؓ کو ذکر کیا جو بالبداہۃ ترجمہ اصلی کے ساتھ مربوط اور مطابق نظر آتی ہے مگر جب یہ خیال کرتے ہیں کہ اس واقعہ سے حضرت ابوذرؓ کے کمال ایمانی میں کسی بے وقوف کو بھی چوں چرا کرنے کی گنجایش نہیں تو پھر امر ثانی کی مطابقت بھی پوری معلوم ہوتی ہے، اور اس باب سے مرجئہ اور خوارج و معتزلہ سب کا بطلان ہوگیا، باقی یہ امر مکرر عرض کر چکا ہوں کہ مؤلف رحمہ اللہ جیسے بغرض تمرین وتشحیذ بعض مواقع میں تصریح نہیں کرتے، ایسے ہی جہاں کسی وجہ سے تصریح کو خلاف

مصلحت اور مخالف احتیاط سمجھتے ہیں وہاں بھی اشاروں سے کام لیتے ہیں۔

باب وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فسمّاهم المؤمنين

جملہ فسمّاهم المؤمنین سے ظاہر ہوگیا کہ مؤلف رحمہ اللہ کو اس باب سے بھی پہلی ہی بات کو ثابت کرنا منظور ہے یعنی باب سابق میں جو خوارج و معتزلہ کی تردید کی غرض سے جملہ ولا یکفر صاحبها بارتکابها الا بالشرک زائد کیا تھا اسی کو اس باب میں دیگر نصوص سے ثابت کرتا ہے چنانچہ آیت جس کو ترجمہ بنایا ہے اس میں باہم مقاتلہ کرنے والوں کو مومن فرمایا ہے حالانکہ یہ مقاتلہ معصیت کبیرہ ہے ایسے ہی روایت ابوبکرہؓ اذا التقی المسلمان بسیفیهما ... الخ جو اس باب میں لائے ہیں اس میں قاتل و مقتول کا فی النار ہونا بھی صاف مذکور ہے اور اس پر ان کو مسلم بھی فرمایا گیا، ان سب سے معتزلہ اور خوارج کی تردید ظاہر ہے۔

باب ظلم دون ظلم

اس باب میں حدیث ابن مسعودؓ جس میں اینا لم یظلم نفسه فانزل الله اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ مذکور ہے بیان کی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ظلم عظیم تو شرک ہے باقی جملہ معاصی مادون میں داخل ہیں تو پہلے دو بابوں میں جو مؤلف رحمہ اللہ نے **کفر دون کفر** اور المعاصی من امر الجاهلية فرمایا تھا ان کی تائید اور تحقیق کسی قدر وضاحت سے معلوم ہوگئی اور ظاہر ہوگیا کہ معاصی شرک اور کفر میں داخل ہیں مگر ارشاد مؤلف لایکفر صاحبها بارتکابها الا بالشرک کو مضبوطی سے پکڑے رہے ورنہ "نیکی برباد گناہ لازم" کا محمل یہ عاجز ہی نہ ہوگا مؤلف رحمہ اللہ کو بھی "اے روشنی طبع تو برمن بلا شدی" کا مصداق بننا پڑے گا، انہیں خطرات سے مؤلف رحمہ اللہ نے صاف نہیں فرمایا بلکہ عنوان بدل بدل کر متعدد ابواب میں اشارات سے اپنا مدعٰی ظاہر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب علامات المنافق

کفر و معاصی و شرک کے بعد نفاق کو بیان کرتے ہیں، ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علامات نفاق متعدد ہیں جن کو بیان کرنا منظور ہے، اس کے بعد اول حدیث میں تین اور دوسری میں چار علامتیں صریح مذکور ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مثل کفر نفاق میں بھی فرق مراتب اور کمی زیادتی ضرور ہے اور حدیث ثانی میں جو اربع من کن فیه کان منافقا خالصا ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها مذکور ہے اس کو دیکھ کر تو نفاق میں کمی زیادتی اظہر من الشمس نظر آتی ہے، تو اب علاوہ مطلب ظاہر کے دو باتیں خیال میں آتی ہیں۔

ایک یہ کہ اس باب میں ابواب سابقہ ظلم دون ظلم وغیرہ کی تائید کی طرف بھی اشارہ ہے۔

دوسرا یہ بتلانا مقصود ہے کہ جیسے معاصی امور کفریہ ہیں، ایسے ہی جن افعال کو علامت نفاق فرمایا ہے وہ افعال نفاق میں داخل ہیں اور جس طرح کفران عشیر پر کفر کا اطلاق صحیح ہے اسی طرح کذب و خیانت وغیرہ کو نفاق کہنا درست ہے، حضرات علماء جو ان روایات کی تاویلات مختلفہ فرما رہے ہیں کہ بعض تو نفاق کی دو قسمیں ایک نفاق فی العقیدہ دوسری نفاق فی العمل بنا کر ان احادیث کو نفاق فی العمل پر محمول فرماتے ہیں اور بعض علماء مجموعہ علامات ثلثہ کو جو کہ اول حدیث میں ہیں اور مجموعہ علامات اربعہ کو جو حدیث ثانی میں مذکور ہیں ایک ایک علاقہ قرار دے کر معنی بنانے چاہتے ہیں اب کسی کی حاجت نہ رہی فعلیک بالتامل الصادق، واللہ اعلم.

باب تطوع قیام رمضان من الایمان

علمائے محدثین وغیرہ حضرات نے جو اعمال کو ایمان میں داخل رکھا ہے ان میں دو جماعتیں ہیں ایک جماعت کا قول ہے کہ فرائض ایمان میں داخل ہیں دوسری جماعت

فرائض ونوافل جملہ اعمال کو داخل فرماتے ہیں غالباً اس لیے مؤلف رحمہ اللہ نے اس ترجمہ میں لفظ تطوع زائد فرما کر قول ثانی کے رجحان کی طرف اشارہ فرمادیا۔ واللہ اعلم۔

باب الدين يسر وقول النبي ﷺ أحب الدين الى الله الحنيفية السمحة

ترجمۃ الباب اور حدیث کا مطلب اور باہم توافق بالکل ظاہر ہے مگر ظاہر مطلب کے ساتھ اعمال کے داخل فی الایمان ہونے کی طرف بھی اشارہ ضرور معلوم ہوتا ہے جیسا کہ ابواب سابقہ اور لاحقہ سے بھی سمجھا جاتا ہے نیز معتزلہ اور خوارج کے تشددات کی طرف بھی تعریض ہے۔ واللہ اعلم

باب الصلوة من الايمان وقول الله تعالى وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ يعني صلوتكم عند البيت

اس میں اتنی بات قابل ذکر ہے کہ عند البیت کی قید میں چونکہ خلجان ہے اس لیے بعض شراح اس کو تصحیف پر حمل فرماتے ہیں اور بعض اہل تحقیق اس کی تاویل کرتے ہیں۔ جو تکلف سے خالی نہیں، ہمارے رائے میں بہتر یہ ہے کہ کوئی تاویل نہ کی جائے اور حسب ظاہر ظرف کو صلوٰۃ ہی کے متعلق رکھا جائے یعنی صلوتكم الى البيت المقدس عند البيت اگر الى البيت کہتے تو تاویل کی ضرورت ہوتی یا مجبوراً تصحیف مانی جاتی عند البيت کہنا اس کا قرینہ ہے کہ یہ نمازیں الى البيت نہیں اور جب الى البيت نہ ہوں گی تو بالضرور الى بيت المقدس ہوں گی جس میں خلجان کی گنجائش نہیں، البتہ اتنا اور کہنا ہوگا کہ قبل ہجرت عند البیت الی بیت المقدس جو نمازیں ہوئیں وہ چونکہ بہت ہیں ادھر عند البیت یعنی مسجد حرام افضل اور مقدس مقام ہے ان کا ضائع ہونا بہت مستبعد ہے اس لیے ان نمازوں کی تصریح مناسب اور مفید ہوئی بخلاف ان نمازوں کے جو بعد ہجرت بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں کہ نہ وہ اس کثرت

سے ہیں اور نہ مسجد حرام میں پڑھی گئیں نیز شان نزول سے بھی زیادہ موافق اور مربوط ہے۔فتأمل و لاتعجل، واللّٰہ اعلم۔

باب زيادة الايمان ونقصانه وقول الله ... الخ

مؤلف رحمہ اللہ کتاب الایمان میں ترجمہ اولیٰ میں یزید وینقص بیان کر چکے ہیں اس کے بعد متعدد تراجم میں ایمان کے لیے تفاوت مراتب مختلف عنوانات سے بتلا چکے ہیں جن کے متعلق ان مواقع میں ہم بھی عرض کر چکے ہیں اب اس باب میں پھر زیادت ونقصان فی الایمان کو ترجمہ بنایا ہے جس کا مطلب وہی ہے جو ترجمہ اولیٰ کا تھا عنوان بھی متغیر نہیں کیا جس سے ترجمہ کے تکرار کا خلجان ہوتا ہے اس لیے عرض ہے کہ ابواب سابقہ میں یہ تو معروض ہو چکا ہے کہ باب اول میں مؤلف نے ایمان کامل یعنی مجموعہ تصدیق واعمال میں زیادت ونقصان ثابت کیا ہے اب اس باب میں تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شرائع اور احکام یعنی مومن بہ کی زیادتی اور کمی سے ایمان میں زیادتی اور کمی ثابت کرتے ہیں آیات واحادیث مذکورہ فی الباب میں غور کرنے سے ہماری عرض کی ان شاء اللہ تصدیق ہو سکتی ہے۔

الحاصل نفس ایمان، اعمال، دونوں کا مجموعہ، مومن بہ، ان جملہ وجوہ سے ایمان میں تفاوت اور زیادتی کمی کو مؤلف رحمہ اللہ نے ابواب مختلفہ میں نصوص صحیحہ سے ثابت کر دیا اور احتیاط اور اتباع سلف کو ملحوظ رکھ کر۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب خوف المومن من أن يحبط عمله وهو لايشعر وقال ابراهيم التيمي: ما عرضت قولي على عملي الا خشيت أن أكون مكذبا، وقال ابن أبي مليكة: أدركت ثلاثين من أصحاب النبي ﷺ كلهم يخاف النفاق على نفسه ما منهم أحد يقول انه على ايمان جبريل وميكائيل، ويذكر عن الحسن أنه قال: ما خافه الا مومن ولا

امنه الا منافق، ومايحذر من الاصرار على التقاتل والعصيان من غير توبة لقول الله تعالىٰ ولم يصروا على ما فعلوا وهم يعلمون.

اس باب میں دو ترجمہ ہیں اوّل ترجمہ کے اثبات کے لیے ابراہیم تیمیؒ وغیرہ تابعین کے اقوال مذکور ہیں، اور دوسرے ترجمہ کے ساتھ آیت قرآنی کو لایا اس کے بعد دو روایتیں وارد کیں جن کا صریح تعلق ترجمہ ثانی سے معلوم ہوتا ہے۔

غالبًا ترجمہ اوّل سے یہ غرض ہے کہ مومن کو نفاق سے خائف رہنا چاہئے اور ترجمہ ثانی سے مقصود صریح تخویف عن المعاصی ہے۔

الحاصل ضروریات اور مکملات ایمان سے فارغ ہو کر مفسدات و مضرات ایمانی کو بتلانا منظور ہے جو دو چیزیں ہیں اول نفاق دوسرے معاصی مع الاصرار و بلا توبہ اور اصرار بغیر توبہ چونکہ روایات باب میں مذکور نہیں تھا تو اس کے اثبات کے لیے ترجمہ کے ساتھ آیت کو بیان کر دیا۔ اور مرجئہ کا ابطال بھی ہو گیا، چناں چہ روایت اولیٰ میں صریح مذکور ہے۔

باقی ابن ابی ملیکہ کا یہ ارشاد **ما منهم أحد يقول انه على ايمان جبريل وميكائيل** اس کا مطلب یہی ہے کہ سلف سے ایسے کلمات منقول نہیں اور مغلطہ کا بھی اندیشہ ہے ان سے احتراز مناسب ہے چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے جب بذیل تحقیق مسئلہ ایمان **ایمانی کایمان جبرئیل** فرمایا تو اس کے بعد **ولا اقول ايمانى مثل ايمان جبريل** بڑھا کر مغلطہ کا انسداد کر دیا، امام محمدؒ نے لوگوں کی حالت دیکھی انہوں نے فرمایا **لا اقول ايمانى كايمان جبرئيل بل اقول آمنت بما آمن به جبرئيل** اور احتیاط میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا۔ جو اس پر بھی نہ سمجھے اسے خدا سمجھائے آدمی کے بس سے یہ باہر ہے۔ دیکھئے خود امام بخاریؒ جیسے مقدس محتاط کو مسئلہ خلق قرآن میں باوجود احتیاط کامل کیا کیا پیش آیا قرآن مجید کی منقبت میں جو **يُضِلُّ بِهٖ كَثِيرًا**

وَيَهْدِىْ بِهٖ كَثِيْرًا فرمایا ہے اس منقبت میں سے اکابر کو بھی حساد کی بدولت حصہ ملتا رہا ہے۔

باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الايمان والاسلام والاحسان وعلم الساعة وبيان النبى ﷺ له ثم قال جاء جبريل عليه السلام يعلمكم دينكم فجعل ذلك كله دينا، وما بين النبى ﷺ لوفد عبدالقيس من الايمان قوله تعالىٰ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.

مؤلف رحمہ اللہ نے ترجمہ میں تین باتیں ذکر فرمائیں:

اوّل: سوال جبریل جوانہوں نے چار سوال (۱) ما الايمان (۲) ما الاسلام اور (۳) ما الاحسان اور (۴) متى الساعة آپ سے کئے تھے اور آپ نے چاروں کے جواب بیان فرمائے تھے۔

دوسری: وفد عبدالقیس کو جو آپ نے امر بالایمان فرمایا تھا اور ایمان کی تشریح بیان فرمائی تھی۔

تیسری: قول سبحانہ وتعالیٰ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ.

امر اوّل سے جو مؤلف کو مقصود ہے فجعل ذلك كله دينا کہہ کر اس کو ظاہر کر دیا یعنی اصول وفروع، عقائد واعمال، ایمان واسلام، اخلاص واخلاق سب دین میں داخل ہیں اور تینوں ترجموں میں یہی اول ترجمہ مؤلف کو مقصود ہے صرف اسی کے لیے حدیث مسند بھی ذکر کی ہے اور مؤلف نے جو امور ابواب سابقہ متفرقہ میں بیان کئے تھے وہ اس ایک باب میں مع شے زائد آ گئے، اور اس حدیث میں ایمان سے تصدیق قلبی مراد ہے اور ان تعبد اللّٰه سے مراد توحید باللسان ہے جس میں کلمۂ شہادت بھی داخل ہے کما صرح العلامۃ السندھی۔

حدیث عبدالقیس میں انہیں امور کو ایمان فرمایا اور آیۂ کریمہ میں اسلام کو دین

فرمایا سوان نصوص سے اسلام، ایمان، دین میں ایک کا اطلاق دوسرے پر صحیح ہوا اور سلف اطلاقات واردہ فی النصوص کا اتباع پسند کرتے تھے مباحث کلامیہ مستخرجہ متاخرین کی طرف راغب نہ ہوتے تھے کما صرح به الشارحون اور مؤلف کے اس باب سے تمام ابوابِ سابقہ کی صحت معلوم ہوگئی جن میں اس قسم کی اطلاقات موجود ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب

اس کے بعد مؤلف نے باب بلاترجمہ ذکر کیا اور حدیث ہرقل جو بدء الوحی میں مطول گذر چکی ہے اس کا مختصر حصہ اس میں بیان کیا سالتک هل یزیدون ام ینقصون فزعمت انهم یزیدون وکذلک الایمان حتی یتم وسألتک هل یرتد احد منهم سخطة لدینه بعد ان یدخل فیه فزعمت ان لا وکذلک ایمان حین تخالط بشاشته القلوب لایسخطه احد

حضرات شارحین نے اس کے متعلق مختلف خیالات ظاہر فرمائے ہیں جو شروح میں موجود ہیں۔ ہماری رائے میں مناسب اور مفید یہ ہے کہ عن قریب مؤلف رحمہ اللہ باب خوف المومن ... الخ میں نفاق اور حبط سے سب کو ڈرا چکا ہے حتیٰ کہ اپنے ایمان پر اعتماد کرنے کو علامۃ نفاق نقل کر چکا ہے اب اس کی مکافات میں یہ بتلانا چاہتا ہے کہ جن کے قلوب میں ایمان ایک دفعہ راسخ ہوگیا اور شرح صدر ہو چکا ان کو مامون العاقبت سمجھنا چاہیئے، ان کے ایمان میں خلل اور زوال نہیں آتا اور مرتد وہی ہوتا ہے جس کا ایمان تہہ دل میں داخل نہ ہوا تھا شرح صدر کے بعد ارتداد سے بھی باذن اللہ محفوظ رہتا ہے مگر غالباً بوجہ احتیاط واندیشہ غلط فہمی مصرح کہنا نہیں چاہتا، اور یہ بھی بعید نہیں کہ بغرض تشحیذ واحتیاط ایسا کیا ہو، تو اب اگر یہاں ترجمہ جدید نکالا جائے جیسا کہ اصول میں بذیل ابواب بلاتراجم معروض ہو چکا ہے تو بہتر یہ ہے کہ آیت فَمَنْ یُّرِدِ

اللّٰہُ اَنۡ یَّھۡدِیَہٗ یَشۡرَحۡ صَدۡرَہٗ لِلۡاِسۡلَامِ یا ارشاد وَمَنۡ یَّھۡدِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنۡ مُّضِلٍّ کو ترجمہ بنایا جائے کہ مقام اور مؤلف کے طرز دونوں کے مناسب ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ ہرقل کے کلام میں لفظ و کذلک الایمان دوجگہ موجود ہے اول سے مراد دین اور دوسرے سے تصدیق قلبی مراد ہے تو مؤلف نے جو مدعٰی اس نے پہلے باب میں ثابت کیا تھا اسی کے موید قول ہرقل بھی ہے تو اب اس باب کو پہلے باب کے متعلقات میں بھی شمار کرسکتے ہیں اس لیے ممکن ہے کہ مؤلف کے خیال میں یہ بھی ہو اور تعدد فوائد بھی موجب ترک ترجمہ ہوا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل من استبرأ لدینہ

پہلے اصرار علی المعاصی سے ڈرا چکے ہیں اب اس پر ترقی کرکے یہ بتلاتے ہیں کہ دین کی حفاظت اور صفائی کے لیے امور مشتبہ سے بچنا بھی ضروری ہے، اور لطیف اشارہ اس طرف بھی معلوم ہوتا ہے کہ توبہ پر اعتماد کرکے معصیت کا مرتکب نہ ہونا چاہئے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب اداء الخمس من الایمان

ایسے ابواب بکثرت اور مختلف مواقع میں مذکور ہو چکے ہیں بظاہر اس باب میں کوئی امر جدید نہیں معلوم ہوتا غایت مافی الباب لفظ ادا میں اس طرف اشارہ ہو کہ الصلوۃ من الایمان اور الزکوۃ من الاسلام وغیرہ ابواب جو گذر چکے ان میں بھی اسی کے مثل مناسب مقام کوئی لفظ بڑھا لیا جائے چناں چہ حدیث عبدالقیس جو اس باب میں مذکور ہے اس میں اقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ وصیام رمضان صریح موجود ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب ما جاء ان الاعمال بالنیۃ والحسبۃ ولکل امری ما نوی فدخل فیہ الایمان والوضوء والصلوۃ والزکوۃ والحج والصوم

والاحکام ... الخ

مؤلف رحمہ اللہ ایمان، اعمال اور اجتناب معاصی جملہ امور متعلقہ بالایمان سے فارغ ہوکر سب سے اخیر میں دو باب بیان کرتے ہیں:

اوّل باب سے یہ غرض معلوم ہوتی ہے کہ جملہ اعمال خیر مذکورۂ سابقہ جن میں ایمان بھی داخل ہے ان کا مدار اور منشا نیت خالص لوجہ اللہ ہے ایسا ہی معاصی سے اجتناب اور ترک وہی مطلوب ہے جس کا باعث ابتغاء وجہ اللہ ہو بدون نیت صالحہ صادقہ کوئی عمل خیر مفید نہیں اور نہ وہ طاعت میں شمار ہوسکتا ہے اس لیے اس کا اہتمام سب سے اہم امر ہے۔ واللہ اعلم۔

باب قول النبي ﷺ الدين النصيحة لله ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم وقوله اذا نصحوا لله ورسوله

اس باب میں جریر بن عبداللہؓ سے دو روایتیں منقول ہیں ایک میں **الدين النصيحة لله ولرسوله ولائمة المسلمين وعامتهم** وارد ہے دوسری میں فقط **والنصح لكل مسلم** موجود ہے مگر روایت اول شروط مؤلف کے مطابق نہیں اس لیے مؤلف نے حسب عادت اول کو ترجمہ بنایا اور دوسری روایت کو مسنداً نقل کیا اور اس میں جو کمی تھی اس کو آیت سے پورا کر دیا اور اس محل میں مقصود اصلی مؤلف کو غالباً **والنصح لكل مسلم** کا بیان کرنا ہے جو دونوں روایتوں مذکورہ فی الباب میں مروی ہے مقصود یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ نصح اور اخلاص کرنا اسلام اور دین میں داخل ہے اور ترک نصح موجب خلل ونقصان ہے جس سے غش وخداع مع المسلم کی مضرت خوب ظاہر ہوگئی اس لیے جملہ امور ایمانیہ کے ساتھ اس کا بھی اہتمام ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اور عباد مومنین سے معاملہ صحیح کرنا کمال ایمانی ہے۔ واللہ الموفق، واللہ تعالیٰ اعلم

كتاب العلم

باب فضل العلم وقول الله وتعالى يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ وقوله عزوجل وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا

اس باب میں حدیث مسند بیان نہیں کی دو آیتیں جو ترجمہ کے ساتھ مذکور ہیں اور اثبات ترجمہ کے لیے ہر ایک آیت کافی ہے ان پر اکتفا کیا کما مر فی الاصول.

علاوہ ازیں کتاب العلم میں جگہ جگہ احادیث مسندہ دالہ علی فضل العلم کثرت سے موجود ہیں۔

باب من سئل علما وهو مشتغل في حديثه فاتم الحديث ثم أجاب السائل

مطلب یہ ہے کہ علی الفور جواب دینا ضروری نہیں بلکہ ضرورت لاحقہ سے فارغ ہوکر باطمینان جواب دے سکتا ہے۔

مع ہذا بعض روایات میں اہل مجلس کی بات کو قطع کرنے کی ممانعت آئی ہے کما فی البخاری عن ابن عباس ، سو اس باب سے معلوم ہو گیا کہ وہ ممانعت وہیں ہے جہاں اہل مجلس کا جرح ہو اور ملال کا محتمل ہو اور حاجت کی وجہ سے کلام مختصر کی اجازت ہے۔

آپ کی تقریر یعنی سکوت سے یہ اجازت ثابت ہو گئی۔ واللہ اعلم۔

باب من رفع صوته بالعلم

جہر مفرط نہ آپ کی شان کے مناسب ہے نہ علم دین کے، مگر حدیث باب سے معلوم ہو گیا کہ بوقت ضرورت رفع صوت مباح بلکہ مستحسن ہے البتہ بسبب قلت

مبالات یا بوجہ تجبر وتکبر مذموم ہے۔

باب طرح الامام المسئلة على أصحابه ليختبر ما عندهم من العلم

اس سے علم کی طرف اعتناء اور اس کا اہتمام معلوم ہوتا ہے اور علم کی طرف ترغیب اور تحریص ظاہر ہوتی ہے اس کے سوا نھی عن الاغلوطات مروی ہے اس سے ممانعت امتحان کی طرف وہم جا سکتا ہے اس کا بھی دفعیہ ہو گیا۔

باب ما جاء في العلم وقول الله تعالى وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا

اگر اس باب کو قائم رکھا جائے تو غالبًا اس باب سے احتیاج اور ضرورت الی العلم اور طلب علم کا اثبات منظور ہے کیونکہ فضل العلم تو گذر چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب مايذكر في المناولة وكتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان ...الخ

قرأۃ وعرض کے بعد مناولہ اصطلاحی کا اثبات مقصود ہے چوں کہ اس کے اثبات میں احادیث سے تنگی نظر آتی تھی اس لیے مؤلف نے اس میں وسعت اور سہولت ظاہر کرنے کی غرض سے اس کے مناسب اور مشابہ دوسرا ترجمہ وكتاب اهل العلم بالعلم الى البلدان منعقد کر کے مسند حدیثیں ذکر فرمائیں جو ترجمہ ثانی پر صریح دال ہیں مگر مقصود اصلی ان سب سے ترجمہ اولیٰ کا اثبات ہے اور متعدد مواقع میں مؤلف نے ایسا کیا ہے كما ذكرنا في الأصول، ترجمہ ثانی میں کتاب بخاری اور امثالہ کا شمول بھی ممکن ہے۔

باب من قعد حيث ينتهي به المجلس ومن راى فرجة في الحلقة فجلس فيها

اس باب میں حلقہ علم میں بیٹھنے کی صورتیں بیان کرنا منظور ہے خلاصہ یہی ہے کہ حلقہ میں بیٹھنا افضل ہے اور حلقہ سے خارج بیٹھنا اس کے بعد ہے۔

حدیث میں جو مذکور ہے واما الآخر فاستحيا شراح رحمہم اللہ نے اس کے دو

معنی تحریر فرمائے ہیں:

ایک یہ کہ اس کا ارادہ شرکت مجلس کا نہ تھا بوجہ حیا شریک ہوگیا، بعض روایات بھی اس کی مؤید ہیں۔

دوسرا یہ کہ اہل مجلس سے حیا کر کے ان کی مزاحمت نہ کی اور پیچھے بیٹھ گیا، سو معلوم ہوگیا کہ صورت اولیٰ ان دونوں صورتوں سے افضل اور مستحسن ہے۔

باب قول النبي ﷺ رب مبلغ أوعى من سامع

اوعی کے معنی ''احفظ'' اور ''افہم'' دونوں ہیں اس لیے تبلیغ علم میں دو فائدے ہیں ایسے ہی عدم تبلیغ میں دو نقصان ہوں گے سو اس سے تبلیغ علم کی ضرورت اور منفعت اور عدم تبلیغ کی مضرت خوب محقق ہوگئی۔

باب العلم قبل القول والعمل

اس باب میں بذیل ترجمہ چند آیات اور احادیث اور اقوال صحابہؓ مذکور ہیں انہیں پر اکتفا کیا حدیث مسند نہیں لایا جن سے علم اور تعلیم و تبلیغ کی فضیلت اور تاکید ظاہر ہوتی ہے، وانما العلم بالتعلّم یہ جملہ بیچ میں مؤلف نے بڑھا دیا کہ جیسے قول اور عمل کا مدار علم پر ہے ایسا ہی علم تعلّم پر موقوف ہے اس لیے تحصیل علم میں جد و جہد ضروری ہے، اس میں بھی گفتگو ہے کہ ترجمہ میں قبلیت سے مراد تقدم زمانی ہے جیسا کہ ظاہر معلوم ہوتا ہے یا تقدم بالشرف والرتبہ مراد ہے جیسا کہ نصوص واقوال مذکورہ فی الباب سے مترشح ہوتا ہے اچھا یہ ہے کہ قبلیت مذکورہ کو دونوں سے عام رکھا جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم اور عمل دونوں سے تعلّم اہم واقدم ہے، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس کے بعد دو باب مذکور ہیں اوّل کا ترجمہ ما کان النبی ﷺ یتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، دوسرے باب کا ترجمہ من جعل لاهل العلم ایاما معلومة ذکر کیا ہے غرض دونوں سے ایک ہے اور دونوں میں روایت

ابن مسعودؓ كان النبي ﷺ يتخولنا بها مخافة السامة علينا منقول ہے۔

دونوں کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرات صحابہؓ کے نشاط وملال، حوائج وفراغ کا لحاظ اور رعایت ملحوظ رکھ کر تذکیر وتعلیم فرماتے تھے ایسے ہی عبداللہ بن مسعود ﷺ آپ کے بعد یوم خمیس میں اپنے اصحاب کو تذکیر وتوعیظ فرماتے تھے اور باوجود اصرار روزانہ تذکیر سے احتراز کرتے تھے کہ ایسا نہ ہو سامعین ملول ہو کر کوتاہی کرنے لگیں بالجملہ ان باتوں سے بھی تعلیم وتذکیر کا اہتمام اور اہمیت وانتظام نکلتا ہے۔ احب الدين ماداوم عليه صاحبه

باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

باب الفهم فى العلم

یہ دونوں باب متصل مذکور ہیں اوّل کا ترجمہ فقہ فی الدین سمجھے دوسرے باب کا ترجمہ فہم فی العلم ہے دونوں کا مطلب قریب قریب ہے، ترجمۂ اولیٰ سے جو کہ بعینہٖ حدیث کا جملہ ہے اور نیز حدیث مفصل سے جو باب میں مذکور ہے دو امر ظاہر ہوتے ہیں ایک یہ کہ فقہ فی الدین خیر عظیم ہے دوسرا فقہ فی الدین محض عطائے خداوندی ہے حتیٰ کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بھی وانما انا قاسم فرما کر اپنا عذر ظاہر فرماتے ہیں جس سے فقہ فی الدین کی عظمت اور فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

دوسرا ترجمہ الفہم فی العلم اس کے لیے حدیث ابن عمران من الشجر شجرة ... الخ جو چند باب پہلے بھی مذکور ہو چکی ہے لایا ہے سو اس سے ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ فضل فہم کو بیان کرنا مقصود ہے اس پر بعض اہل تحقیق نے اعتراض کیا ہے کہ حدیث میں کوئی لفظ دال علی الفضل موجود نہیں مگر یہ اعتراض صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ مؤلف نے قریب بعید حدیث ابن عمرؓ کو مختلف ابواب میں ذکر کیا ہے سو لفظ دال علی فضل فہم متعدد روایات میں موجود ہے عن قریب کتاب العلم کے اخیر میں یہ حدیث

موجود ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد لان تکون قلتها أحب الي من أن یکون لي کذا و کذا، دال علی الفضل مذکور ہے اور مؤلف رحمہ اللہ نے مختلف ابواب میں ایسا کیا ہے کہ لفظ دال علی الترجمۃ حدیث میں موجود نہیں مگر دوسرے موقع میں اسی حدیث میں چونکہ وہ لفظ موجود ہے تو یہ کافی سمجھا جاتا ہے۔ کما مر في الأصول اس لیے الفهم في العلم کے ظاہری معنی ترک کرکے معنی غیر ظاہر کی طرف توجہ کرنے کی حاجت نہیں معلوم ہوتی۔ اور اصغر القوم کے سمجھ لینے اور کبار پر مخفی رہنے سے ارشاد واللہ یعطی کی تائید بھی معلوم ہوگئی جو اول باب میں گذرا۔ واللہ تعالیٰ اعلم

باب الاغتباط في العلم والحكمة وقال عمر رضي الله عنه تفقهوا قبل أن تسودوا، وقد تعلّم أصحاب النبي ﷺ في كبر سنهم.

ترجمہ سے تحریص اور تحریض علی العلم مقصود ہے اسی کی تائید کی غرض سے حضرت عمرؓ کا ارشاد بیان کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ سیادت وریاست اور بڑائی سے پہلے علم حاصل کرلو کیونکہ کسی قسم کی سیادت اور بڑائی کے بعد آدمی کو اور ضروری مشاغل پیش آجاتے ہیں جن کی وجہ سے تحصیل علم کی فرصت اور فراغت میں تنگی آجاتی ہے اور حیا وشرم بھی بسا اوقات مانع ہوجاتی ہے اور بڑے ہوکر کوئی نہ کوئی سیادت عادۃً سر پڑ ہی جاتی ہے کم سے کم اپنی اہل واولاد ہی کی سہی۔

اس کے بعد مؤلف رحمہ اللہ نے بنظر احتیاط وقد تعلم ... الخ اپنی طرف سے فرماکر مطلب کو ظاہر کردیا یعنی حضرت عمر کا مطلب یہ ہے کہ قبل السیادۃ علم حاصل کرنے میں سعی ضروری ہے یہ غرض نہیں کہ اگر کوئی قبل سیادت تحصیل علم سے محروم رہا تو وہ بعد سیادت حاصل نہ کرے دیکھ لو خود حضرت عمرؓ اور علی العموم حضرات صحابہؓ نے بڑے ہوکر علم حاصل کیا۔

باب ما ذكر في ذهاب موسى في البحر الى الخضر عليهما السلام وقوله تعالى: هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰی اَنْ تُعَلِّمَنِ الاية

اس ترجمہ سے مؤلف کا مقصود کیا ہے اس کے متعلق مؤلف نے کچھ نہیں فرمایا، قصہ موسیٰ وخضر علیہما السلام کو ترجمہ بنادیا مگر ظاہر ہے کہ قصہ مذکور کے بیان کرنے سے کتاب العلم کے متعلق کوئی امر ثابت کرنا ضرور مقصود ہے نفس قصہ کو اس موقع میں مقصود نہیں کہہ سکتے سو ظاہر نظر ادھر جاتی ہے کہ طلب علم کے لیے سفر کرنے کو ثابت کرتے ہیں مگر دو باب کے بعد باب الخروج فی طلب العلم منعقد فرما کر پھر اسی حدیث کو ذکر کرتے ہیں اب اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے کہ مؤلف کی غرض اس باب میں خروج فی البحر ہو اور آئندہ باب میں مطلق خروج ثابت کرنا مقصود ہو، مگر بہتر یہ ہے کہ ذہاب موسیٰ علیہ السلام سے یہاں تعلّم بعد السیادۃ مقصود ہو اور باب آئندہ میں خروج فی طلب العلم بالتصریح مقصود ہے تو اب کسی تکلف کی حاجت نہیں اور مواقع میں بھی ایسا کیا ہے کہ باب سابق کے متعلق کسی امر کی تحقیق وتکمیل دوسرے باب میں کی ہے چوں کہ باب سابق میں قد تعلّم أصحاب النبي ﷺ في كبر سنهم مجملاً بذیل ترجمہ بیان کیا تھا اب اس کی تکمیل بالاستقلال فرمادی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سید سادات العالم ہو کر دیکھو تعلّم علم کے لیے اپنے شوق سے کس قدر جد وجہد فرمائی اور علم بھی وہ جو علم ضروری سے زائد اور حضرت کلیم اللہ کے علم سے مفضول، ان امور کو لحاظ کر کے ضرور خیال ادھر جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ شاید بغرض تعلّم تشریف نہ لے گئے ہوں گے حضرت خضر کی ملاقات اور ان کے علم کے مشاہدہ کے شوق میں تشریف لے گئے ہوں گے چنانچہ حضرت سید المرسلین نے بھی وددنا ان موسى كان صبر حتى يقص الله علينا من خبرهما فرما کر اظہار شوق فرمایا ہے غالباً اسی خیال کے روکنے کی غرض سے مؤلف نے ترجمۃ الباب کے

ساتھ قول جناب باری ھَل اتبعك على ان تعلّمن کو ذکر کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ ذھاب موسی فی البحر الی الخضر مشہور ومنقول کے خلاف ہے حضرت موسیٰ خشکی میں سفر کر کے حضرت خضر سے ملے ہیں نہ بحر میں، شراح محققین نے اس کی متعدد تاویلیں فرمائی ہیں مثلاً الی الخضر میں الی کو بمعنی مع فرمایا ہے یا بحر سے ناحیۃ البحر اور طرف البحر مراد لیا ہے مگر سہل یہ ہے کہ الی اور بحر کو اپنے ظاہر پر چھوڑ کر یہ کہا جائے کہ الی الخضر سے پہلے واو عطف کو ذکر نہیں کیا کہ اعتماداً الی فہم السامع واو عطف کو بسا اوقات ذکر نہیں کرتے۔

باب قول النبي ﷺ لابن عباس اللّٰهم علّمه الكتاب

اس واقعہ سے علم اور حضرت ابن عباسؓ دونوں کی عظمت وفضیلت بالبدیہۃ ظاہر ہوتی ہے اسی لیے مؤلف نے اس روایت کو کتاب العلم اور مناقب ابن عباسؓ دونوں جگہ میں ذکر کیا ہے اسی کے ساتھ یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ علم چوں کہ حق سبحانہ وتعالیٰ کا خاص انعام اور عطا ہے جیسا کہ باب من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين میں ابھی مذکور ہو چکا تو آدمی کیسا ہی ذہین وفہیم ہو اور تعلّم علم میں کتنی ہی جدوجہد کرے ہرگز قابل اعتماد نہیں بلکہ توجہ اور التجاء الی اللہ سبحانہ ضروری ہے بدون اس کے ارادۂ خیر کی یہ نعمت میسر نہیں ہوسکتی یعنی ضروریات تعلّم میں دعاء التجاء الی اللہ بھی ہے اس لیے فہم اور سعی کے ساتھ اس کی بھی اشد حاجت ہے۔

باب متى يصح سماع الصغير

یہ امر ظاہر ہے کہ سماع سے تحمّل مراد ہے، مؤلف نے دو واقعہ جزئی بیان کئے ہیں کوئی امر دال علی تحدید مذکور نہیں مگر دونوں روایتوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مقصود یہ ہے کہ صحت تحمّل وسماع کے لیے کوئی حد معین نہیں بلکہ مطلق سن تمیز وتعقل سن صحت سماع ہے هكذا قال العلامة السندهي وغيره

باب فضل من علم وعلّم

چند باب سابقہ تعلّم کے متعلق بیان کر کے اب چند باب تعلیم کے متعلق بیان کرتے ہیں ترجمہ کا مطلب مجموعہ امرین کی فضیلت ہے نہ ہر واحد کی یعنی عـلِـم ثـم علَّم، یہ مطلب نہیں کہ فـضـل مـن عـلِـم وفضل من علَّم جیسا کہ روایت باب سے ظاہر ہوتا ہے۔

باب رفـع الـعلم وظهور الجهل، وقال ربيعة: لاينبغي لأحد عنده شيء من العلم أن يضيع نفسه

مؤلف کی غرض یہ ہے کہ رفع علم اور ظہور جہل علامت قیامت ہے جیسا کہ حدیثیں مذکورین فی الباب میں مصرح موجود ہے اور شرائط ساعت کا انسداد اور ان سے احتراز ضروری ہے سو رفع علم اور ظہور جہل کے انسداد اور اس سے احتراز کی یہی صورت ہے کہ تبلیغ واشاعت علم میں سعی کی جائے کیونکہ ظہور جہل کی یہی صورت ہوگی کہ اہل علم ختم ہو جائیں اور جہال باقی رہ جائیں کـمـا ورد فـي الـحـديـث اور اس کا تدارک بجز اشاعت علم اور کچھ نہیں، الحاصل مؤلف کی غرض ترجمہ سے تعلیم وتبلیغ ہے جس کو قول ربیعہ بیان کر کے واضح کر دیا، اضاعت نفس سے مراد کتمان علم اور عدم تبلیغ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب فضل العلم

یہ ترجمہ بعینہٖ شروع کتاب العلم میں گذر چکا ہے اس لیے شارحین رحمہم اللہ نے فرمایا کہ فضل کے دو معنی ہیں فضیلت اور فاضل عن الحاجۃ اور اول میں اول معنی اور ثانی میں ثانی مراد ہیں جس سے خدشہ تکرار بسہولت زائل ہوگیا، مگر مقصود ترجمہ میں اور حدیث ثـم أعطيت فضلي عمر بن الخطاب جو اس باب میں مذکور ہے اس کی تطبیق میں علماء کے کلمات مختلف ہیں ہمارے نزدیک راجح اور اقرب یہ ہے کہ ترجمہ

سے مؤلف کی غرض یہ ہے کہ جو علم کسی کی حاجت اور ضرورت سے زائد ہو اس کا کیا حکم ہے مثلاً کوئی مفلس ومعذور وضعیف ومجبور ایسا ہے کہ اس کو عبادات میں زکوٰۃ وحج وجہاد کے ادا کرنے کی نہ استطاعت نہ قدرت بلکہ آیندہ کو بھی بالکل مایوس یا عادۃً مایوس ہے یا معاملات میں مزارعت ومساقات، مضاربت وتجارت ورہن واجارہ کی نہ حاجت نہ توقع نہ خیال تو ایسے شخص کو ان عبادات ومعاملات کا تعلّم کیسا ہے اور ان کی تعلیم کے لیے اپنے اوقات کو صرف کرنا اور ان کے لیے سفر کرنا عبادت میں داخل ہے یا مالایعنیہ میں شمار ہوگا؟! اور تعلّم علم کی جو فضیلت وتاکید گذری یہ اس میں داخل ہے یا اس سے مستثنیٰ ہے؟ حدیث مذکورہ فی الباب سے جو اس علم زائد اور فاضل عن الحاجۃ کا حکم نکلا وہ یہ ہے کہ علم مطلقاً مفید اور مطلوب ہے غایۃ مافی الباب جو علم اس خاص شخص کے حق میں ضروری اور کارآمد نہیں وہ اوروں کو پہنچادے تعلّم علم سے فقط عمل ہی مقصود نہیں تبلیغ وتعلیم بھی ایک اہم مقصود ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ مؤلف کو اس باب سے تبلیغ وتعلیم کی اہمیت اور فضیلت بیان کرنی مقصود ہے جیسا کہ ابواب سابقہ اور لاحقہ سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب الفتيا وهو واقف على الدابة وغيرها

قضا وتعلّم وافتاء وغیرہ امور متعلقہ بالعلم کا مقتضی چونکہ سکون واطمینان وحُسن ادب ہے اور حضرت امام مالک وغیرہ ائمۂ دین سے بھی ایسا ہی منقول ہے تو غیر اطمینانی حالت مثل رکوب وقیام وسیر میں افتاء وغیرہ کی کراہیت کی طرف خیال جاسکتا ہے غالباً ترجمۃ الباب میں اس کی مدافعت ملحوظ ہے۔

باب من أجاب الفتيا باشارة اليد والرأس

احادیث سے ثابت ہے کہ جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم موقع تعلیم میں کس قدر مبالغہ اور تاکید اور تصریح سے کام لیتے تھے صحابہ رضوان اللہ علیہم کو لیتے

سکت کہنے کی نوبت آجاتی تھی اشارہ سے جواب دینا اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لیے مؤلف نے اشارہ کی اباحت ظاہر کر کے بتلا دیا کہ ''ہر سخن وقتے وہر نکتہ مکانے دارد''

باب تحريض النبي ﷺ وفد عبدالقيس على أن يحفظوا الايمان والعلم ويخبروا به من وراء هم ... الخ

ظاہر ہے کہ اس ترجمہ سے بھی تبلیغ وتعلیم کی تاکید مقصود ہے اور تعلیم وتبلیغ بدون حفظ ممکن نہیں اس لیے حفظ کی بھی تاکید فرمادی اور معلوم ہوگیا کہ اہل علم کو چاہیے کہ متعلّم کو حفظ وتبلیغ کی تاکید میں قصور نہ کریں۔ واللہ اعلم

باب الرحلة في المسئلة النازلة وتعليم أهله

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مسئلہ کی ضرورت پیش آگئی اور حکم معلوم نہیں تو ضروری ہے کہ سفر کر کے عالم سے جا کر معلوم کرے اور اپنی اہل کو بھی تعلیم کرے یہ نہیں کہ سکوت کر کے بیٹھ رہے اس سے بھی تعلّم وتعلیم کی تاکید وضرورت ثابت ہوئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب التناوب في العلم

مقصد یہ ہے کہ بوجہ مشاغل ضروری اگر فرصت تحصیل علم نہ ہو تو بطریق تناوب علم سیکھنا چاہئے اور عالم کی خدمت میں خود نہ رہ سکے تو کسی معتمد کے ذریعہ سے اس سے علم حاصل کرے۔ واللہ اعلم

باب الغضب في الموعظة والتعليم اذا رأى مايكره.

احادیث میں منصوص ہے کہ موقع تعلیم وتوعیظ میں آپ نے رفق وملایمت کو پسند فرمایا ہے اور خشونت وشدت سے منع کیا ہے جس اعرابی نے مسجد میں پیشاب کر دیا تھا اس کی نسبت بھی آپ نے انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین فرمایا ہے۔

اس ترجمہ سے مقصود یہ ہے کہ امر بالرفق کا مطلب یہ نہیں کہ اس کا خلاف کہیں جائز نہ ہو بلکہ بعض مواقع میں غضب اور شدت مستحسن ہے۔ واللہ اعلم۔

باب من اعاد الحديث ثلاثا ليفهم عنه ... الخ

مطلب یہ ہے کہ جن مواقع میں اعادہ کی حاجت ہوتی ان میں اعادہ فرماتے ورنہ بعض مواقع میں فقط اشارہ بھی ثابت ہے کما مرّ سابقا اس سے بھی تعلیم وتبلیغ میں اہتمام کی طرف اشارہ مفہوم ہوتا ہے معلم کو چاہئے کہ مقامات مہمہ کو مکرر سہ کرر اعادہ کرے کہ سامعین کے فہم میں قصور نہ رہے۔

اس کے بعد باب تعليم الرجل أمته وأهله اورباب عظة الامام النساء وتعليمهن یکے بعد دیگرے بیان کیے جن کے اندر کوئی اشکال وابہام نہیں وہی غرض سابق یعنی ضرورت تعلیم اور تعمیم تعلیم مقصود ہے اسی لیے ترجمہ اولیٰ میں أهله بڑھادیا حالاں کہ حدیث میں صرف امته مذکور ہے۔

باب الحرص على الحديث

یعنی حرص علی الحدیث کی فضیلت اور تحسین بیان کرنی منظور ہے اور حدیث سے حدیث رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہے۔ ابواب سابقہ اور احادیث ماضیہ میں مطلق علم کا ذکر تھا اب حدیث کی تصریح اور تخصیص مقصود معلوم ہوتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب كيف يقبض العلم، وكتب عمر بن عبدالعزيز الى أبي بكر بن حزم أنظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه فاني خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولايقبل الا حديث النبي ﷺ وليفشوا العلم وليجلسوا حتى يعلم من لايعلم فان العلم لايهلك حتى يكون سرا.

مؤلف رحمہ اللہ قبض علم کی کیفیت دکھلانا چاہتا ہے سو حدیث میں صاف موجود

ہے۔ **لایقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء** جس سے بالبداہت معلوم ہوگیا کہ عالم سے ذہاب علم کا منشا عدم اشاعت اور عدم تبلیغ ہوگی اگر سلسلہ تعلیم واشاعت برابر جاری رہے تو یہ نوبت کیسے آئے۔ **کما مر في باب رفع العلم.**

بالجملہ مؤلف کی غرض بلکہ حدیث کا منشا اشاعت علم کی تاکید اور تعمیم ہے۔ عمر بن عبدالعزیزؒ کے ارشاد سے ترجمہ کی غرض صاف ظاہر ہوگئی اور ترجمہ سابق کی بھی تشریح ہوگئی اول باب کی تکمیل دوسرے باب میں مؤلف کی عادت ہے **کما مر.** اور ارشاد مذکور سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اشاعت علم کے لیے علماء کو علانیہ مجالس علمی قائم کرنا ضروری ہے اس میں متعلّمین کو سہولت اور وسعت ترغیب وتحریص ہے تخصیصات اور تقییدات کے ساتھ تعلیم کرنے میں بھی علم کی ہلاکت ہے۔ **فالحذر الحذر.**

باب هل یجعل للنساء یوما علی حدة في العلم

یعنی جو اشخاص مجالس عامہ علمیہ کی شرکت سے معذور ہوں جیسے نساء ان کی تعلیم وتبلیغ کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے ان کی حالت کے مناسب خاص اوقات میں علمی باتیں ان کو پہنچائی جائیں تعمیم تعلیم چوں کہ ضروری امر ہے عام خاص خواندہ ناخواندہ مرد عورت سبھی کو حصہ پہنچانا چاہیے۔ واللہ اعلم۔

باب من سمع شیئا فرجع حتی یعرفه

ظاہر ہے کہ سمجھنے کی غرض سے جو مراجعت ہو اس کی فضیلت بیان کرنی منظور ہے یا یہ مطلب ہے کہ مراجعت میں عالم کی سوءادبی اور متعلم کی تحقیر نہیں۔ اس لیے نہ عالم کو ناگوار ہونا چاہیے نہ متعلم کو حیا کرنا مناسب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب لیبلّغ العلم الشاهد الغائب ... الخ

اس میں تبلیغ علم کی صریح تاکید اور تعمیم ہے جو مجلس علم میں حاضر ہو اس کو چاہیے کہ

جواحکام سنے وہ غائبین کو سنادے۔ اہل علم پر تبلیغ بالاستقلال لازم ہے جس میں سوالِ سائل یا کسی حاجت وضرورت کا بھی انتظار نہیں۔ اور قلیل یا کثیر جتنا معلوم ہوا تنے ہی کی تبلیغ کا ذمہ دار ہے۔

باب اثم من كذب على النبي ﷺ

ابواب متعدہ سابقہ سے تبلیغ وتعلیم وتعمیم وتکثیر معلوم ہوئی اور اس میں خطرۂ کذب ضرور ہے بالارادہ ہو خواہ بلا ارادہ، اس لیے یہ ترجمہ بیان کر کے متنبہ کر دیا کہ تبلیغ وتعلیم میں نہایت احتیاط واہتمام لازم ہے تخمین ومجازفت سے کام نہ لیا جائے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب كتابة العلم

حفاظت علم اور بقاء علم اور اشاعت وتبلیغ علم کے لیے کتابت بھی ضروری اور سہل اور انفع ذریعہ ہے اس لیے باب کتابت العلم منعقد کر کے کتابت علم کا استحسان اور امور علمیہ کا بغرض بقا وحفاظت آپ کے ارشاد سے لکھا جانا ثابت کر دیا بلکہ اشارۃً علماء کو ترغیب الی الکتابت بھی مفہوم ہوتی ہے۔

باب العلم والعظة بالليل.

ارشاد ابن مسعودؓ يتخولنا بالموعظة في الايام كراهت السامة علينا اور حدیث يسروا ولا تعسروا اور ارشاد ابن عباسؓ لاتمل الناس هذا القرآن ... الخ سے ظاہر ہے کہ تذکیر وتعلیم میں نشاط سامعین کا لحاظ ضروری ہے اور رات چوں کہ نوم اور راحت کے لیے ہے اس سے رات میں تعلیم وتذکیر کی کراہیت کا خیال ہوتا ہے سو مؤلف نے باب العلم والعظة منعقد فرما کر ایسی روایت بیان فرمائی کہ جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ عند الضرورت سوتوں کو جگا کر بھی تعلیم وتذکیر لازم ہے۔

باب السمر في العلم

اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ سمر بعد العشاء کی روایات میں ممانعت موجود ہے مگر حسب حاجت مناسب اوقات سمر فی العلم ثابت اور مسلّم ہے اور ممانعت مذکور سے خارج ہے۔

اس باب میں دو حدیثیں مذکور ہیں:

اول حدیث کی مطابقت ترجمہ سے ظاہر ہے مگر حدیث ثانی عن ابن عباس قال بت في بيت خالتي ميمونة بنت الحارث ... الخ میں کوئی مناسبت معلوم نہیں ہوتی شراح نے مختلف تاویلیں بیان فرمائیں مگر محقق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے غور وتلاش کے بعد کتاب التفسیر میں ایک روایت اسی کے متعلق نکالی جس میں فتحدث مع أهله ساعة صریح موجود ہے اب سب تاویلیں بے کار ہیں۔ كما ذكرنا في الأصول.

باب حفظ العلم

یعنی تعلّم کے بعد حفظ اور عدم نسیان میں بھی سعی لازم ہے ظاہر ہے کہ بھلا دینے میں اول تو کفران نعمت ہے دوسرا تعلیم وتبلیغ وعمل جملہ امور ضروریہ حفظ پر موقوف ہیں اور روایت اول سے معلوم ہو گیا کہ جس قدر علم میں اشتغال کرے گا اسی قدر حفظ میں قوت ومدد ہوگی۔ دوسری روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حافظہ کا قوی ہونا بھی مطلوب ومفید ہے اور ہر چند یہ ایک خلقی امر ہے مگر اس کے لیے مؤیدات ومضرات ضرور ہیں ان کی رعایت مستحسن ہے۔ شعر

شكوت الى وكيع سوء حفظي
فأوصاني الى ترك المعاصي

باب الانصات للعلماء

حضرت ابن عباسؓ کے ارشاد و لاالفینک تاتی القوم وھم في حدیث من حدیثھم فتقص علیھم فتقطع علیھم حدیثھم فتملھم وغیرہ ... الخ سے قطع حدیث کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے اور انصات للعلماء اس کے مخالف ہے اس لیے مؤلف نے ثابت کر دیا کہ تعلیم و تبلیغ کی ضرورت سے اوقات خاصہ میں یہ استنصات مباح اور مستحسن ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

باب مایستحب للعالم اذا سئل أيّ الناس أعلم فیکل العلم الی اللّٰہ

یعنی عالم سے جب أيّ الناس أعلم کا سوال کیا جائے تو أنا أعلم کہنا پسندیدہ نہیں اگر چہ اس کا اس وقت میں أعلم الناس ہونا محقق ہو بلکہ مستحب یہ ہے کہ اس کے جواب میں اللہ اعلم کہے۔ چناں چہ حدیث باب سے یہ امر روشن ہے۔

اس سے مؤلف کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو بالخصوص در بارۂ علم ہر حالت میں تواضع پیش نظر رہنی چاہیے اور اپنے نقصان اور حق سبحانہ کے کمال کا دھیان رکھنا مناسب ہے نیز بڑائی اور عجب کے اسباب چوں کہ علماء کو زیادہ میسر ہیں اس لیے بھی علماء کو اس میں پوری احتیاط لائق ہے۔ واللہ اعلم۔

باب من سأل وھو قائم عالما جالسا

پہلے باب من برک علی رکبتیه عند الامام أو المحدث گذر چکا ہے اس سے معلوم ہوا تھا کہ محدث کے سامنے تواضع اور ادب اور اطمینان سے بیٹھنا مناسب ہے، اب یہ بتلانا ہے کہ عند الحاجت قائماً بھی سوال کر سکتا ہے جلوس و بروک امر ضروری نہیں۔

باب المسؤال والفتیا عند رمی الجمار

ظاہر ہے کہ وہ وقت مناسک حج کی مشغولی کا ہے سو معلوم ہو گیا کہ عند الضرورة

ایسے مشاغل کی حالت میں بھی سوال وجواب میں کوئی حرج نہیں اسی کے ساتھ یہ بھی معلوم ہوگیا کہ سوال وجواب قائما میں بھی کوئی تنگی نہیں۔

باب قول الله تعالیٰ وَمَآ أُوْتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا

جب سب کا علم قلیل ہے تو ہر واحد کے علم کی قلت وحقارت کو اس سے سمجھ لیجیے۔ حکماء نے کہا ہے کہ کتنا ہی بڑا عالم ہو مگر بالبداہت اس کا جہل علم سے ہمیشہ بڑھا ہوا ہوتا ہے یعنی آدمی کا علم متناہی اور جہل غیر متناہی ہے غرض یہی ہے کہ علماء کو اپنے علم کی قلت اور حقارت ملحوظ رکھنی چاہیے اور خلاف تواضع سے احتراز لازم۔

باب من ترک بعض الاختيار مخافة أن يقصر فهم بعض الناس عنه فيقعوا في أشد منه

یعنی امر مختار کے اظہار میں اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ قاصر الفہم ایسی خرابی میں مبتلا ہوجائیں گے جو امر مختار کے ترک سے زیادہ مضر ہے تو علماء کو چاہیے کہ اس مختار کو ترک فرمادیں اور غیر مختار کو قائم رکھیں۔

غرض یہ ہے کہ علماء کو عوام کی رعایت ضروری ہے ان کی رعایت کی وجہ سے امر مختار کا ترک کردینا عین صواب ہے۔

باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية أن لايفهموا وقال علي: حدثوا الناس بمايعرفون أتحبون أن يكذب الله ورسوله

ترجمہ کی غرض ظاہر ہے کہ علما کو تعلیم وتبلیغ میں مخاطبین کی رعایت ملحوظ رہے ایسی بات کہ جس کا تحمل مخاطب کا فہم نہ کرسکے ہرگز نہ کہنی چاہیے جس درجہ کا مخاطب ہو اس درجہ کی بات کہنی چاہیے ارشاد مرتضوی اس پر دال بالتصریح ہے۔ واللہ اعلم۔

باب الحياء في العلم، وقال مجاهد: لايتعلّم العلم مستحي ولامستكبر، وقالت عائشة: نعم النساء نساء الأنصار لم يمنعهن

الحياء أن يتفقهن في الدين

مؤلف نے ترجمہ کو مطلق چھوڑا عدم استحباب یا استحباب وغیرہ کچھ نہیں فرمایا بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ عدم استحباب مقصود ہے كما صرح به الاعلام اور قول مجاہدؒ اور قول صدیقہؓ سے بھی یہی ہویدا ہے، مگر بعد تأمل یہ معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف کے ذہن میں اس کے متعلق کچھ تفصیل ہے اس کو اشارات سے بتلانا چاہتا ہے اسی لیے ترجمہ کے ساتھ حکم کی تصریح نہیں فرمائی۔ ارشاد واللہ لایستحي من الحق سراسر حق اور مسلّم ہے مگر مؤلف کا مقصود یہ ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بوجہ حیا علم اور تفقہ سے محروم نہ رہ جائے یہ مطلب نہیں کہ حیا نہ کرے اور تعلّم اور تفقہ کے وقت حیا کو پاس نہ آنے دے جو کچھ کہنا ہو بے تأمل کہے۔

خلاصہ یہ کہ ترجمۃ الباب الحیاء فی العلم میں دو باتیں قابل لحاظ ہیں:

اوّل یہ کہ بوجہ حیا علم و تعلّم سے محروم نہ رہے اور اس میں کسی کو تأمل نہیں ہو سکتا اس کی تائید کے لیے مؤلف نے ترجمہ کے ذیل میں اثر مجاہدؒ اور اثر حضرت صدیقہؓ بیان کر کے اس پر قناعت کی۔

دوسرا یہ کہ تعلیم و تعلّم میں بھی حتی الوسع حیا کرنا مستحسن ہے یعنی مواقع حیا میں یہ تو ہرگز نہ کرے کہ علم ہی سے محروم رہ جائے مگر محرومی سے بچ کر جس قدر حیا کر سکے مستحسن ہے الحياء من الايمان والحياء خير كله اس جزو میں قدرے خفا ہے اور مؤلف کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ مقصود اصلی اسی جزو کا بیان کرنا ہے اور اس باب میں جو دو حدیثیں بیان کیں وہ دونوں اسی جزو کی دلیل ہیں اول حدیث میں جو قصہ امّ سلیمؓ مذکور ہے اس سے تو بالبداہت ثبوت حیا مکرر اور سہ کرر ہو رہا ہے دیکھئے امّ سلیمؓ نے حاضر ہو کر قبل السؤال جو عرض کیا ہے یا رسول الله ان الله لايستحي من الحق یہ حیا نہیں تو کیا ہے حضرت ام سلمہؓ کی نسبت ہے فغطت ام سلمة وجهها

آپ نے فرمایا: تربت یمینک فبم یشبهها ولدها ارشاد تربت یمینک سے حیاءِ نبوی کی نہایت لطیف خوش بو مہک رہی ہے مگر اسی حالت حیا میں تعلیم و تعلّم کے فرض کو جس طرح ہو سکا ادا فرمایا اور مقصود کو فوت نہیں ہونے دیا اور ہماری معروضات کے مؤید ایک قوی قرینہ یہ بھی ہے کہ اس باب کے بعد دوسرا باب من استحیا فامر غیرہ بالسؤال منعقد فرما کر روایت حضرت علیؓ کنت رجلا مذاء ... الخ بیان کی ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ بوجہ حیا ترک سؤال میں بھی کچھ حرج نہیں البتہ یہ چاہیے کہ دوسرے کے واسطے سے حکم شرعی سے واقف ہو جائے علم سے محروم نہ رہ جائے۔

اب باقی رہی روایت ثانی یعنی روایت ابن عمرؓ جو ابواب العلم میں مکرر گذر چکی ہے۔ ان رسول الله ﷺ قال: ان من الشجرة شجرة ... الخ اس کی مطابقت میں شاید کسی کو تردد ہو مگر معروضات سابقہ کے مطابق یہی سمجھ میں آتا ہے کہ مؤلف رحمہ اللہ کی غرض یہی ہے کہ ابن عمرؓ نے جو بوجہ حیا سکوت فرمایا اور جواب نہیں دیا یہ حیا بھی مستحسن ہے یہ وہ حیا نہیں جو ان اللّٰہ لا یستحي من الحق یا لا یتعلّم العلم مستحي ولا مستکبر کے مخالف ہو اس کے مخالف صرف وہ ہے جو بوجہ حیا علم کو ترک کر دے کسی سے سؤال نہ کرے اور علم سے محروم رہ جائے حضرت ابن عمرؓ کے سکوت میں اس کا احتمال بھی نہیں۔ اول تو یہ سکوت عن الجواب ہے عن السؤال نہیں دوسرا ابن عمرؓ جانتے تھے کہ جو واقعی جواب ہے اس کو ہر حال میں آپ ارشاد فرمائیں گے جو سب کو معلوم ہو جائے گا، باقی حضرت عمرؓ کا ارشاد وہ صرف اپنی مسرت قلبی کا اظہار فرماتے ہیں اس سے سکوت ابن عمرؓ کی کراہیت اور وہ بھی شرعی سمجھنی مستبعد ہے۔ کما قال بعض الاعلام. واللّٰہ تعالیٰ اعلم.

باب ذکر العلم والفتیا فی المسجد

افتاء وتعلیم وقضاء فی المسجد میں تنگی وکراہت کا مظنہ ہے بعض اکابر کے اقوال بھی تنگی کی طرف مشیر ہیں مؤلف رحمہ اللہ کے نزدیک ان امور میں توسع مستحسن ہے اس لیے یہاں بھی اور ابواب قضاء میں بھی توسع کیا۔ واللہ اعلم۔

باب من اجاب السائل باکثر مما سأله

افسوس کہ یہ متاع گراں مایہ اسی جگہ ختم کرنی پڑی۔ کیوں کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے مسودات میں اسی مقام تک تحریر ہے۔

سید حسین احمد

هو الملهم

اعلم [1] ان المؤلف رحمه الله مرة يصرح بالترجمة لكنْ غرضه لايكون ظاهر العبارة بل ما يثبت بالالتزام او بالاشارة جليا كان او خفيا يظهر مقصوده بعد التامل فی احاديث الباب فمن لم يتامل وقنع على الظاهر يقع فی التكلف والتخيط مثلا قال رحمه الله "باب من أدرک ركعة من العصر قبل الغروب" وذكر فيه حديث استيجار اهل الكتابين واستيجار هذه الامة فاشكل التطبيق على الشراح وتكلفوا فيه والتحقيق ان غرض المولف من هذه الترجمة بيان اخر وقت العصر فظهر التطبيق فافهم.

ولو قال "باب تاخير العصر الى الغروب" كما صرح في الصفحة السابقة "باب تاخير الظهر الى العصر" ما تكلف أحد هذه التكلفات البعيدة. وهكذا قال بعد ورقة "باب من أدرک من الفجر ركعة" فالمقصود منه أيضا بيان آخر وقت الفجر لا ظاهر الترجمة فقط. والله أعلم.

هكذا قال في محل آخر "باب مايقول بعد التكبير" وأدخل فيه حديث الكسوف ايضا فاشكل التوفيق فتكلفوا والوجه عندنا ان بعد التامل في أحاديث الباب يفهم ان غرض المؤلف من هذا الباب اثبات التوسيع فی دعاء الافتتاح وتركه راسا وعدم تعيين الدعاء المخصوص لزوما وان الدعاء ثابت بعد التكبير متصلا ومنفصلا فحينئذ ينطبق جميع الاحاديث المذكورة في الباب فافهم. والله أعلم

(۱) مسودات میں عربی کی چند سطور بھی ملیں جن کو ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے ۱۲ حسین احمد۔

وليس غرضه من هذا الباب تعيين الدعاء.

وتارة يذكر الباب بلا ترجمة ويذكر فيه حديثا فالشراح رحمهم الله يذكرون في مثل هذا المقام احتمالات اكثرها بعيدة عن شان المؤلِّف والمؤلَّف كليهما كما لايخفى على المهرة واحسن اعذارهم انه كالفصل من الباب السابق لكن هذا العذر ايضا لايتمشى في بعض المواضع مثلا قال في الابواب المتعلقة بأحكام البول "باب من الكبائر ان لايستتر من بوله" وذكر فيه حديث انسانين يعذبان في قبورهما.

ثم بعده قال "باب ما جاء في غسل البول" وذكر في الترجمة هذا الحديث ثم بعد ذلك الباب قال "باب بلاترجمة" وذكر فيه هذا الحديث أيضا فكيف يقال انه كالفصل من الباب السابق لان هذا يمكن اذا يكون الثاني مغائرا للاول بوجه وههنا لاتغاير اصلا فافهم.

وعندنا لابد ان يقال ان المؤلف احيانا يترك الترجمة عمدا ويذكر حديثا ومقصوده اني اخرجت من هذا الحديث حكما او احكاما فينبغي ان تخرجوا منه حكما غير ذلك بشرط ان يكون مناسبا لتلك الابواب ويفعل هكذا تشحيذا للاذهان وتنبيها وايقاظا للناظرين كما هو دابه في امور كثيرة فعندنا والله اعلم هذا الاحتمال اقوى واليق وانفع مهما امكن نعم اذا يكون مانع منه في موضع ما فلابد ان يتوجهو الى الاحتمال الآخر يناسب ذلك المقام فعلى هذا يقال ههنا مثلا ينبغي ان يكون الترجمة كون البول موجبا لعذاب القبر ومايماثلها والله اعلم.

لايقال ان فی أبواب القبر يقول "باب عذاب القبر من الغيبة والبول" فيتكرر الترجمة لانا نقول المقصود هناک بيان حکم القبر وههنا المقصود ذکر حکم البول فاين التکرار ونظائره کثيرة عند المؤلف لايخفى على الناظرين مثلا قال في أبواب الايمان "أداء الخمس من الايمان" ثم قال في ابواب الخمس "أداء الخُمس من الدين".

وهکذا قال المؤلف رحمه اللّٰه في آخر أبواب التيمم "باب بلاترجمة" ثم ذکر حديث عمران بن حصين أن رسول اللّٰه ﷺ رای رجلا معتزلا لم يصل فی القوم فقال يافلان مامنعک ان تصلی فی القوم فقال يا رسول اللّٰه اصابتنی جنابة ولا ماء قال عليک بالصعيد فانه يکفيک. فعلى ما ذکرنا سابقا يفهم من التراجم المذکورة في هذه الأبواب أن الترجمة ههنا ينبغي أن يکون "اذا لم يجد الجنب ماء يتيمم" ولاحاجة الى سهو الناسخين او عدم توفيق المؤلف رحمه الله.

وتارة يذکر بابا مع الترجمة لکن لايذکر حديثا عکس الصورة الاولى وفيه وجهان: مرة يذکر تحت للترجمة آية او حديثا او قولا من الصحابة والتابعين دالا على الترجمة وهو کثير، ومرة لايذکر شيئا منها أيضا کما لايذکر حديثا مسندا بل يذکر الترجمة فقط فيحمله الشراح على سهو الناسخين أو سهو المؤلف أو عدم تيسر ارادته بوجه من الوجوه ولايخفى استبعاده والتحقيق عندنا فی هذه المواضع التفصيل

أما الصورة الأولى فظاهر أن الترجمة مدلل بالآية أو الحديث او

غيـرهما المذكور في ذيل الترجمة فالترجمة ثبتت ماتركها غير ثابتة واكتفـى الـمـؤلف على هذا القدر بوجه ما، اما لان حديثا على شرط المؤلف ليس عنده واما لقصد التمرين.

واما الصورة الثانية فلايختارها المؤلف الا في موضع يكون دليل الترجمة مذكورا قبلها في الباب السابق أو بعدها مع أن هذه الصورة قـليـلة جـدا فـلايكون الترجمة غيرثابتة بل ثابتة بالدليل المذكور في الـكتاب وان لم يذكر مع الترجمة لقصد التمرين والتنبيه وغيرها من الأسبـاب نـعـم وجـدنا في جملة الكتاب بابا أو بابين جعل رحمه الله الآية فيه تـرجمة واكتفى عليها لم يذكر معها حديثا ولا قولا فالأولى فيه ان يقال لما جعل الترجمة آية القرآن وهو دليل فوق جميع الأدلة فهـذه التـرجـمـة دعـوى دليـلهـا معها لايحتاج الى دليل آخر فاكتفى عـليهـا فـلايقال الدعوى بقيت بلادليل ولايحتاج الى أن يجعل حديثا أو قولا المذكور في الأبواب السابقة أو اللاحقة دليلا لها والله اعلم.

هـذا مـا عـنـدنا من التفصيل فعليك بالتأمل الصادق والانصاف الـلائق فـان كـان حـقـا فـمـن العزيز الرحيم والا فمني ومن الشيطان الرجيم.

فهرس الأبواب والتراجم

حضرت شیخ الہند قدس سرہ کے مسودات میں ایک فہرست بھی ملی جن کو ذیل میں درج کیا جاتا ہے، تراجم بخاری کے متعلق آپ کے خیالات اگر چہ پورے ظاہر نہ ہو سکے لیکن اس فہرست میں اکثر حصہ بطور خلاصہ ضرور آ گیا ہے۔

اس کے تین حصے ہیں پہلے دو حصوں میں صــــ کے بالائی ہندسہ سے صفحہ کا نمبر مراد ہے اور اس کے نیچے والے ہندسہ سے جلد کا نمبر مراد ہے مثلاً بـــاب فـضـل الـصدقة من كسب کے بعد ۱/۱۶۱ موجود ہے(۱) اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ باب بخاری جلد اول کے ص ۱۶۱ میں ہے یہی حال دوسرے حصہ مسمّٰی بتراجم غیر مجردہ کا ہے۔ تیسرے حصہ ''ابواب بلا ترجمہ'' میں آپ کسی باب کے بالمقابل نـــ اور کسی باب کے سامنے تـــــ دیکھیں گے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے تفصیل کے وقت بیان فرمانے کے لیے ان کو بطور رموز لکھ لیا تھا یعنی جس باب کے سامنے نــــ ہے اس کے متعلق رائے یہ تھی کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کا ترجمہ بغرضِ تشحیذ اذہان ترک فرمایا ہے اور جس باب کے سامنے تــ ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ اس کا ترجمہ بوجہ تعلق بالمقدم ترک کیا گیا ہے۔ اس مسودہ میں ایک جگہ ثــــ بھی موجود ہے جس پر ''خطا'' لکھا ہوا ہے، لیکن اس فہرست میں کسی باب کے سامنے اس قسم کا نشان موجود نہیں ہے جس کا مطلب تو ظاہر ہے کہ جس باب کے سامنے یہ امر ہوگا اس سے خطا اور غلطی مراد ہوگی لیکن یہ کہ کس کی خطا مراد ہوگی اس میں ہمارا ذہن اس طرف جاتا ہے کہ خطا ناسخین مراد ہوگی۔

میں ابتدا میں عرض کر چکا ہوں کہ زمانۂ اسارت میں حضرت شیخ الہندؒ کے پاس

---

(۱) اس نسخے ہم نے صفحہ نمبر اور جلد نمبر کو اس طرح لکھا ہے: مثلاً باب فضل الصدقة من كسب کے بعد ۸۹/۱ موجود ہے اس کا مطلب ہے یہ باب بخاری جلد اول کے صفحہ ۱۸۹ میں ہے۔

بخاری کا نسخہ مطبوعہ مصر تھا اس لیے اس میں جو کچھ بھی تحریر فرمایا گیا ہے وہ اسی نسخہ سے ہے(۱)۔

اس فہرست کے چند ابواب کے صفحات تحریر نہیں فرمائے گئے ہیں، وجہ تو ظاہر ہے یہ کسی قدر سہل تھا کہ بخاری مطبوعہ مصر کو دیکھ کر میں لکھ دیتا لیکن اس میں اول تو یہ رائے قائم کرنا دشوار تھی کہ حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی رائے اس متروک الترجمۃ باب کے متعلق کیا تھی، اس کو متروک بقصد تمرین سمجھتے تھے یا بوجہ تعلق بالمقدم، دوسرے یہ کہ خود اپنی ہیچ مدانی نے اس کی ہمت بھی نہ ہونے دی کہ میں آپ کی تصنیف میں کسی طرح کا تصرف کروں۔

بالجملہ یہ رسالہ اس ناتمامی کی حالت میں بھی اگر بدر کامل کا کام نہ دے گا تو وہ روزہ ضرور ثابت ہوگا۔

حسین احمد مہاجر مدنی

(۱) اس نسخے میں ہم نے اہل علم کی آسانی کے لیے فہرست کے جلد نمبر اور صفحہ نمبر قدیمی کتب خانہ کراچی کے نسخے سے درج کیے ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست تراجم

تراجم مجرده محضه

تراجم مجرده لكن جعل الأية ترجمة

باب ان قارون كان من قوم موسى الخ	۴۸۴/۱
باب واسئلهم عن القرية التى الخ	۴۸۵/۱
باب واضرب لهم مثلا اصحب القرية	۴۸۷/۱
باب قول الله ومن لم يستطع منكم	۱۰۱۱/۲
باب قول الله يا ايها الذين آمنوا الخ	۱۰۱۵/۲
باب قول الله وما كان لمؤمن أن يقتل الخ	۱۰۱۷/۲
باب واذ قال موسى لقوله ان الله الخ	۴۸۳/۱
باب ام حسبت ان اصحب الكهف والرقيم	۴۹۲/۱
باب ولو انهم صبروا الخ	۷۱۸/۲

تراجم غير مجرده

التى ليس فيها حديث مسند لكن ذكر فى الترجمة اية او حديثا او اثرا

باب كيف كان بدء الحيض	۴۳/۱
باب استواء الظهر فى الركوع	۱۰۹/۱
باب يستقبل باطراف رجليه القبلة	۱۱۲/۱
باب صلوة الطالب والمطلوب راكبا وايماء	۱۲۹/۱
باب من صفق جاهلا من الرجال الخ	۱۶۲/۱
باب الرياء فى الصدقة	۱۸۹/۱
باب لايقبل الله صدقة من غلول	۱۸۹/۱
باب صدقة العلانية	۱۹۱/۱

باب ما جاء في العلم	١٤/١
باب العلم قبل القول والعمل	١٦/١
باب ما جاء في قول الله تعالىٰ اذا قمتم الخ	٢٥/١

ابواب بلاترجمہ

باب	ايمان	نــــ
باب	ايمان	نــــ
باب	وضو	تــــ
باب	في احكام البول	نــــ
باب	حيض	تــــ
باب	تيمم	نــــ
باب	مواضع الصلوة	تــــ
باب	صلوة	نــــ
باب	السترة	نــــ
باب	ركوع	نــــ
باب	الجمعة	نــــ
باب	صلوة الخوف	تــــ
باب	صلوة الليل	تــــ
باب	الجنائز	تــــ
باب	الجنائز	تــــ

باب	زكوة	تـــــ
باب	الحج	نـــــ
باب	فضائل المدينة	نـــــ
باب	الصوم	نـــــ
باب	المزارعة	نـــــ
باب	المزارعة	نـــــ
باب	المزارعة	نـــــ
باب	لقطة	نـــــ
باب	هبه	نـــــ
باب	شهادات	تـــــ
باب	جهاد	نـــــ
باب	بدء الخلق	تـــــ
باب	ذكر بني اسرائيل	تـــــ
باب	مناقب	تـــــ
باب	مناقب	نـــــ
باب	مناقب	نـــــ
باب	فضائل ابی بکر	تـــــ
باب	مناقب اسامة	تـــــ
باب	هجرة النبی ﷺ	تـــــ

باب	مغازی	نـــــ
باب	مغازی	تـــــ
باب	مغازی	هٰهنا بیاض فی الاصل
باب	مغازی	تـــــ
باب	مغازی	نـــــ
باب	مغازی	تـــــ
باب	مغازی	نـــــ
باب	مغازی	تـــــ
باب	شهادات	نـــــ
باب	فضائل المدینة	نـــــ
باب	مغازی	نـــــ
باب	سورة اقرأ	نـــــ
باب	النکاح	نـــــ
باب	النکاح	نـــــ
باب	الطلاق	نـــــ
باب	هٰهنا بیاض فی الاصل	نـــــ
باب	الطب	نـــــ
باب	اللباس	نـــــ
باب	الدعوات	تـــــ

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا
توثیق الکلام
فی
الإنصات خلف الإمام
تصنیف
0300-2824450